قیمت: پانچ روپے

اپنے دامن پر لگے مسلمانوں کے خون سے خوفزدہ۔ ٹھاکرے نے جانچ کمیشن ختم کرکے

انصاف کا خون کردیا

Country	Price	Country	Price	Country	Price	Country	Price	Country	Price
AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRILANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR 12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$.3.50	HONGKONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	60p.
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	$1.25

بھگت کے خلاف عدالتی کارروائی کے تناظر میں

کیا مسلم مخالف فسادات کے مجرموں کو بھی سزا دی جائے گی

ایک زمانے میں دہلی کے بے تاج بادشاہ اور سابق مرکزی وزیر مسٹر ایچ کے ایل بھگت کے خلاف عدالتی کارروائی سے ان سکھوں میں امید کی ایک کرن پھوٹ پڑی ہے جن کے خلاف نومبر ۱۹۸۴ء میں اندرا گاندھی کے قتل کے بعد بھیانک فسادات برپا کر دئے گئے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان گنت سکھوں کو زندہ جلا ڈالا گیا تھا۔ ان کی جائدادوں کو لوٹ لیا گیا تھا اور ان کے لئے دہلی کی زمین تنگ کر دی گئی تھی۔ حالانکہ ان متاثرین نے امید کا دامن چھوڑ دیا تھا۔ بارہ برسوں تک کسی بھی معاملے میں کوئی کارروائی نہ ہونے سے کوئی بھی مایوس اور ناامید ہو سکتا ہے۔ لیکن دہلی کی ایک زیریں عدالت نے فسادیوں کو مشتعل کرنے کے ملزم مسٹر بھگت کو غیر ضمانتی وارنٹ گرفتاری جاری کر کے اور انہیں عدالتی تحویل میں بھیج کر فسادیوں کے خلاف کارروائی کرنے کا آغاز کر دیا ہے۔ حالانکہ بھگت کے خلاف نہ تو کوئی ایف آئی آر درج ہے اور نہ ہی ان پر کوئی مقدمہ چل رہا ہے لیکن عدالت نے ایک سکھ بیوہ ستنامی بائی جس کے شوہر کو فسادیوں نے اس کی آنکھوں کے سامنے جلا کر ختم کر دیا تھا، کے بیان پر عدالت نے مذکورہ کارروائی کی ہے۔

ستنامی بائی اپنی روداد غم عدالت کو سناتے ہوئے بتاتی ہے کہ وہ مشرقی دہلی کے ترلوک پوری میں بلاک نمبر ۳۲ میں رہتے تھے۔ یکم نومبر ۱۹۸۴ء کو غنڈوں نے اس کے گھر پر حملہ کر دیا۔ بھگت ان سب کو اکسا رہے تھے اور وہ اپنی پانچ سالہ بچی کو اپنے بازوؤں میں چھپائے کھڑی تھی۔ اس نے ایک مقامی کانگریسی لیڈر بدھ پرکاش کشیپ کا بھی نام لیا۔ جسے فوراً عدالت کے حکم سے پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ ستنامی اس وقت لوک نائک جے پرکاش نرائن ہسپتال میں "آیا" ہے اور حکومت نے متاثرین

بھگت کو عدالت لے جاتے ہوئے

کو تلک وہار میں بسا دیا ہے۔ ستنامی کا کہنا ہے کہ اب ان لوگوں کو پھانسی پر لٹکا دینا چاہئے جبھی مجھے تسلی ہوگی میں نے اتنے دکھ جھیلے ہیں کہ اب معاف کرنے کی طاقت بھی میرے اندر نہیں رہ گئی ہے۔ بھگت جس وقت عدالت میں حاضر ہوئے ان کے سینے میں درد اٹھا اور عدالت نے انہیں پنت ہسپتال میں بھرتی کروا دیا۔

ستنامی بائی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہے کہ "میرا شوہر موہن سنگھ ایک غریب آٹو رکشا ڈرائیور تھا وہ کبھی سیاست میں پڑا ہی نہیں۔ غنڈوں نے اسے گھر سے کھینچ کر باہر نکالا اور اس کے سر پر لوہے کی ایک راڈ سے ضرب لگائی۔ اس کے اوپر پٹرول چھڑکا اور آگ لگا دی۔ ان لوگوں نے میرے شوہر کو بھاگنے تک کا موقع نہیں دیا۔" اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس دن بھگت کی بیوی بھی ان علاقوں میں تھی۔ واضح رہے کہ ترلوک پوری سب سے زیادہ متاثر علاقہ تھا۔ ستنامی کے بقول بھگت کی بیوی ایک کھلی گاڑی میں پاس میں تھی اور غنڈوں کو اکسا رہی تھی۔

بھگت اس کے بیان کو جھوٹ کا پلندہ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابھی تک اس نے کہیں کسی اور عدالت میں ان کے خلاف کوئی بیان کیوں نہیں دیا، اس پر ستنامی کا کہنا ہے کہ جب فوج نے مجھے اور میری بیٹی کو متاثرین کے کیمپ میں داخل کر دیا تو ایک پولیس والے نے آکر میرا بیان لیا اور کہا کہ اس نے میری رپورٹ درج کر لی ہے۔ گذشتہ بارہ سالوں میں میں نے سوچا کہ میری رپورٹ پر کارروائی ہو رہی ہوگی۔ اس دوران میں اپنی روزی روٹی اور بیٹی کی پرورش میں لگی رہی۔ میرے پاس عدالتی چکروں کے لئے وقت ہی نہیں تھا۔ لیکن کچھ مہینے قبل میں نے محسوس کیا کہ میری ایف آئی آر درج نہیں کی گئی ہے۔ تب میں نے عدالت میں جانے کا فیصلہ کیا۔

ستنامی اس کی تردید کرتی ہے کہ اس نے رنگ ناتھ مشرا کمیشن اور جین بنرجی کمیشن کے سامنے کوئی حلف نامہ داخل کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جب کسی سرکاری کمیشن نے اس سے قبل مجھ سے کوئی گفتگو ہی نہیں کی تو میں بھگت پر کیسے الزام لگاتی۔ مقامی سکھ لیڈروں کا کہنا ہے کہ حکومت نے فساد میں بیوہ ہو جانے والی خواتین کی گنتی کی تھی جو ۱۸۵۰ تھی۔ بہت سی بیوائیں بھگت کی بیوی کی موجودگی کی بات بتاتی اور ستنامی کے بیانات کی تصدیق کرتی ہیں۔

بھگت کا دہلی کے وزیر اعلیٰ مدن لال کھورانہ پر الزام ہے کہ انہوں نے ہی انہیں پھنسایا ہے اور انتخابات میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے ہی انہیں قربانی کا بکرا بنایا جا رہا ہے۔ بہرحال یہ سیاست کا معاملہ ہے یا جو بھی ہے اس وقت بھگت تنہا ہو گئے ہیں اور پوری پارٹی سے کوئی بھی قد آور سیاستداں ان کے حق میں سامنے نہیں آرہا ہے۔ پارٹی والوں نے اسے ان کا ذاتی معاملہ قرار دے کر پلو جھاڑ لیا ہے اور ایک زمانے

باقی صفحہ ۱۶ پر

اشتعال انگیز تقریر کرنے کے الزام میں سادھوی رتمبرا کی گرفتاری اور رہائی

حکومت فرقہ پرست لیڈروں کی تقریروں پر پابندی کیوں نہیں لگاتی

وشو ہندو پریشد کی شعلہ بار مقرر، مسلم دشمن تقریروں کے لئے بدنام اور اپنے بھاشنوں سے ہندو مسلم فسادات بھڑکانے میں ماہر سادھوی رتھمبرا کو حال ہی میں دہلی کی ایک عدالت نے گرفتار کر کے تہاڑ جیل بھیج دیا تھا جہاں سے دو تین دن کے بعد ضمانت پر ان کی رہائی ہو گئی۔ ان کے ساتھ وشو ہندو پریشد ہی کے سوامی پرمانند کو بھی گرفتار کیا گیا تھا اور وشو ہندو پریشد کے دہلی یونٹ کے جنرل سکریٹری اور بی جے پی کے ممبر پارلیمنٹ بی ایل شرما پریم کو بھی عدالت نے ایک گھنٹے تک روک کر سزا دی تھی۔ یہ فیصلہ مشرقی دہلی کی ایک زیریں عدالت نے سنایا تھا اور یہ عدالت پریم کے حلقہ انتخاب میں آتی ہے۔ ان لوگوں پر الزام تھا کہ انہوں نے ۱۹۹۰ء میں مشرقی دہلی میں اشتعال انگیز تقریر کی تھی۔ ان کے خلاف اسی وقت سے مقدمہ زیر سماعت تھا لیکن معاملہ جوں کا توں پڑا ہوا تھا۔ کڑکڑڈوما کی عدالت نے ان کے خلاف غیر ضمانتی وارنٹ جاری کیا اور اس طرح ان کی گرفتاری عمل میں آئی۔

۲۷ نومبر ۱۹۹۰ء کو سادھوی اور سوامی نے مشرقی دہلی کے کرشنا نگر کے لال کوارٹرس میں فرقہ واریت بھڑکانے والی تقریریں کی تھیں۔ ۳ جنوری ۱۹۹۱ء کو وزارت داخلہ کی جائزہ کمیٹی کی میٹنگ ہوئی جس میں فیصلہ لیتے ہوئے کہا گیا کہ سادھوی رتھمبرا کی تقریریں تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ اے کے تحت قابل تعزیر ہیں۔ اس کے بعد اس وقت کے محکمہ داخلہ کے ڈپٹی سکریٹری نے اس وقت کے ڈپٹی کمشنر آف پولیس کو ایک خط کے ذریعہ ہدایت کی تھی کہ ان دونوں کے خلاف فوجداری مقدمہ کی شروعات کی جائے۔ اس کے بعد پولیس نے ان کے خلاف کیس درج کیا۔

عدالت نے جس وقت ان دونوں کے خلاف فیصلہ سنایا تب تک وشو ہندو پریشد، بی جے پی اور بی ایل شرما پریم کے ہزاروں حامی وہاں اکٹھے ہو گئے اور ان لوگوں نے ملزموں کے حق میں نعرہ بازی شروع کر دی۔ کچھ لوگوں نے عدالتی فیصلے کے خلاف بھی نعرہ بازی کی اور عدالت میں گھسنے کی کوشش کی۔ لیکن موقع پر موجود پولیس نے ان لوگوں کو کسی طرح روک دیا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وزارت داخلہ کو صرف یہی دو لیڈر ہی کیوں نظر آئے اور انہوں نے صرف انہیں دو کے خلاف کارروائی کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی اور پھر کیا اس سے قبل ان لیڈروں نے اشتعال انگیزی نہیں کی تھی یا اس کے بعد نہیں کی۔ واقعہ تو یہ ہے کہ وشو ہندو پریشد، بی جے پی، شیو سینا، آر ایس ایس اور بجرنگ دل کے زیادہ تر لیڈران اشتعال انگیزی ہی سے کام لیتے ہیں وہ ہندوؤں کو اپنے حق میں

سادھوی رتھمبرا رہا ہو گئیں

کرنے اور سیاسی فائدہ اٹھانے کے لئے مسلم دشمن زہر افشانی کر کے ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف ورغلاتے اور محاذ آرائی پر آمادہ کرتے ہیں۔ سادھوی رتھمبرا اور سادھوی اوما بھارتی کی تقریریں تو اتنی زہریلی ہوتی ہیں کہ مسلمان ان کو سن لے تو خون کا جوش مارنا فطری ہے۔ تقریر کیا ہوتی ہے گالیوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ بزرگان دین اور موجودہ مسلم سیاسی قائدین کے خلاف ایسی ہتک آمیز زبان استعمال کی جاتی ہے کہ کوئی بھی مسلمان اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ ان لیڈروں کی تقریروں نے اکثر و بیشتر ماحول خراب کیا ہے اور فرقہ واریت کی آگ لگائی ہے۔ کئی مقامات پر فسادات بھڑکائے ہیں اور جانی و مالی نقصان سے عوام کو دوچار کیا ہے۔

پھر حکومت ان سبھی کے خلاف قانونی

باقی صفحہ ۱۶ پر

"خوابوں کے شہزادے" کا بہار سے دہلی تک کا سفر

کیا وزیر اعظم بننے کا لالو کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو جائے گا

کون کہہ سکتا تھا کہ وہ مسخرہ جسے یونیورسٹی کے طلبہ اپنے جلسوں میں بھیڑ اکٹھی کرنے کے لئے بلواتے تھے، ایک دن ہندوستان کی قومی سیاست میں وہ تہلکہ برپا کرے گا کہ سینئر اور قد آور لیڈران اس کے سامنے خود کو بونا محسوس کرنے لگیں گے۔ گذشتہ دنوں جب حوالہ کے حوالے سے جنتا دل کے صدر ایس آر بومئی کے استعفی کا مطالبہ زور پکڑ رہا تھا تو کسی کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہی مسخرہ جنتا دل کا صدر بن جائے گا۔ کسی اور کو چھوڑیئے خود لالو یادو کے فرشتوں کو بھی اس کا اندازہ نہیں تھا اور لالو تو بومئی کی جگہ پر اپنے کسی کٹھ پتلی کو صدر بنوا کر اپنا کام نکالتے رہنے کی غرض سے دہلی آئے تھے۔ لیکن حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا اور صورت حال کچھ اس شکل میں نمودار ہوئی کہ صدارتی عہدے کا تاج لالو کے سر پر آکر گرا اور لالو "سالا میں تو صاحب بن گیا" گاتے ہوئے پٹنہ واپس ہوئے۔ ویسے جب وہ پہلی بار وزیر اعلی بنے تھے تو اپنی ماں سے کہا تھا کہ میں یہاں کا راجہ بن گیا۔

دیکھا جائے تو لالو شروع سے ہی ایسی غیر متوقع کامیابیاں حاصل کرتے رہے ہیں۔ وہ طلبہ لیڈران جو ان سے مزاحیہ تقریر کرانے اپنے جلسوں میں بلاتے تھے آج بے نام و نشان ہو گئے ہیں اور لالو نہ صرف بہار کی سیاسی کشتی کے تنہا کھیون ہار بنے ہوئے ہیں بلکہ اب تو دہلی میں بھی انہوں نے قدم جما دیا ہے۔ خوابوں کے اس شہزادے کے تمام خواب شرمندہ تعبیر ہوتے جا رہے ہیں اور کوئی تعجب نہیں کہ وزیر اعظم بننے کا خواب بھی پورا ہو جائے۔ جنتا دل کے صدر بننے پر کئی اخبارات نے اشاروں کنایوں میں انہیں مستقبل کے وزیر اعظم کے طور پر لکھا بھی ہے۔ یہ بات آج جتنی غیر متوقع اور ناممکن سی دکھائی دیتی ہے، اتنا ہی غیر متوقع اور ناممکن لالو کا وزیر اعلی بننا بھی تھا۔ لالو تو ممبر پارلیمنٹ تھے لیکن شرد یادو اور دیوی لال کی سیاسی حکمت عملی کے نتیجے میں وزیر اعلی بنائے گئے تھے۔ آج دیوی لال سیاست کے حاشیے پر چلے گئے ہیں اور شرد یادو جو کہ خود جنتا دل کے صدر بننا چاہ رہے تھے لالو سے مات کھا چکے ہیں ویسے بھی قومی سیاست میں شرد یادو اپنی بہت اچھی پوزیشن بنانے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ لالو یادو نے ایک بار انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ دہلی کا پانی انہیں سوٹ نہیں کرتا اور وہ بہار چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے لیکن صدر بننے کے بعد جب وہ پٹنہ واپس ہوئے تو ان کا استقبال مستقبل کے وزیر اعظم کے طور پر کیا گیا اور ان کے حامیوں نے کہا کہ "جنتر منتر روڈ سے (جنتا دل کا دفتر) نارتھ بلاک (وزیر اعظم کا دفتر) کی جتنی دوری ہے لالو جی اب وزیر اعظم کی کرسی سے اتنی ہی دور ہیں۔ اب معاملہ ایک ہزار کلومیٹر کا نہیں ہے۔"

لالو کو ۱۹۶۹ء میں بہار پردیش سماجوادی یووا جن سبھا کا جوائنٹ سکریٹری بنایا گیا تھا۔ اس وقت ان کے سینئر لیڈروں نے کہا تھا کہ طلبہ تحریک میں رام لکھن سنگھ یادو کی ذات پرست سیاست کے مقابلے میں ایک سماجوادی یادو کو آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ اس وقت سے لے کر اب تک لالو نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ ایسا نہیں ہے کہ ان کے سامنے چیلنج نہیں آئے، پریشانیاں نہیں آئیں اور بحران نہیں پیدا ہوئے۔ سب کچھ ہوا لیکن لالو اپنی خاص ادا سے ان سب پریشانیوں کو عبور کرتے رہے اور اپنے چالاک ذہن سے اپنے مخالفین کو کنارے لگاتے رہے۔ آج پورے بہار میں انہوں نے اپنا ووٹ بینک تیار کر رکھا ہے۔ بہار میں جنتا دل نام ہے لالو یادو کا اور لالو نام ہے جنتا دل کا۔ کچھ دنوں قبل سے یہ بات بھی اٹھنے لگی ہے کہ جنتا دل میں قومی سطح پر بھی کوئی ایسا لیڈر نہیں ہے جو لالو کا ہم پلہ ہو۔ لالو کے ووٹ بینک کو دیکھ کر پارٹی کے سینئر اور قد آور لیڈران اس خوف میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ جس طرح انہوں نے بہار میں اپنا ووٹ بینک بنایا ہے اگر اس سے باہر بھی بنا لیا تو ان سب کی چھٹی ہو جائے گی۔

ویسے لالو پریشانیوں سے نبرد آزما ہونا اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ کئی بار جیل بھی جا چکے ہیں اور تو اور پوری ایمرجنسی کی مدت انہوں نے جیل ہی میں کاٹی تھی۔ کبھی رمئی رام نے ان کے سامنے پریشانیاں کھڑی کیں تو کبھی ان کے اپنے بھائی نے۔ لیکن سب کا پتا انہوں نے صاف کر دیا۔ اس وقت بھی وہ ایک اسکینڈل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بہار کے محکمہ اینیمل ہسبینڈری میں پانچ ارب روپے کا گھوٹالہ منظر عام پر آیا ہے۔ بی جے پی نے سی بی آئی سے تفتیش کرانے کا مطالبہ کیا لیکن لالو نے اسے رد کر دیا البتہ یہ ضرور کہا ہے کہ مجرموں کو بخشا نہیں جائے گا۔ اس کے ساتھ لالو یہ بھی کہتے ہیں کہ پیسہ بنانا ڈاکٹر، انجینئر اور سیاستدانوں کا پیدائشی حق ہے۔

گذشتہ الیکشن میں تنیش کمار کی قیادت میں جنتا دل کے ایک طبقہ نے لالو کی بنیاد کھودنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کوشش میں اس نے اپنی بنیاد کھود لی۔ اور تنیش اینڈ کمپنی کا صفایا ہو گیا جبکہ لالو جنتا دل کے صدر بن گئے۔ جب سے لالو بہار کے وزیر اعلی بنے ہیں بہار کے کمزوروں، پچھڑوں اور پسماندہ طبقات میں احساس بیداری پیدا ہوا ہے۔ نچلی ذات کے لوگ سر اٹھا کر چلنے لگے ہیں اور اونچی ذات والوں کی اجارہ داری کا زمانہ لد گیا ہے۔ برہمن ازم کے کٹر مخالف لالو یادو کے سر اس کا سہرا بندھتا ہے کہ انہوں نے غریبوں اور پسماندہ لوگوں کو یہ احساس دلا دیا ہے کہ اقتدار کے مالک وہ ہیں۔ پندرہ فیصد والوں کو اقتدار سے بے دخل کر دینا چاہئے۔ لالو کے سامنے سب سے بڑا چیلنج نیشنل فرنٹ کی چھتری کے نیچے غیر بی جے پی اپوزیشن کو لانا ہے۔ سماجوادی پارٹی بی ایس پی کی مخالف ہے اور کسی بھی قیمت پر اس کے ساتھ اتحاد کرنے کو تیار نہیں ہے جبکہ لالو چاہتے ہیں کہ نیشنل فرنٹ میں سماجوادی بھی آئے اور بی ایس پی بھی۔ جب تک دونوں اس میں شامل نہیں ہوتیں بی جے پی کو شکست دینا آسان نہیں ہوگا۔ لالو اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ اس ٹیڑھی کھیر کو کیسے حل کرتے ہیں اور غیر بی جے پی اپوزیشن کو ایک چھتری کے نیچے کیسے لاتے ہیں۔ یہ لالو کے لئے بہت بڑا امتحان ہے۔

شیو سینا حاجی ملنگ کو شری ملنگ بنا کر فساد کرانا چاہتی ہے؟

کیا شیو سینا بمبئی میں پھر فساد کرانا چاہتی ہے؟ یہ تشویشناک سوال اہل بمبئی کے دماغوں میں کلبلانے لگا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ گذشتہ دنوں وزیر اعلی منوہر جوشی، نائب وزیر اعلی گوپی ناتھ منڈے اور بال ٹھاکرے کے لڑکے اودھو ٹھاکرے نے کلیان میں پہاڑی پر واقع حاجی ملنگ کی درگاہ میں جا کر پوجا کی۔ اس موقع پر پورے علاقے کو بھگوا جھنڈے سے رنگ دیا گیا تھا اور بینروں پر ہندو بھکتوں کے استقبال کے نعرے لکھے ہوئے تھے۔ درگاہ کے آس پاس بھگوا ٹوپی پہنے شیو سینکوں کا پہرہ تھا اور لوگ اس خوف سے کہ کہیں فساد نہ ہو جائے خاموش رہنے پر مجبور تھے۔ یہاں تک کہ درگاہ احاطہ کے دوکانداروں نے بھی جو کہ سفید ٹوپی پہنے ہوتے ہیں بھگوا ٹوپی پہن رکھی تھی۔ یہاں کے کچھ مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ کون خواہ مخواہ لپھڑا مول لے گا۔ امن و قانون کی بحالی کے لئے کثیر تعداد میں پولیس تعینات کر دی گئی تھی۔

ہندو بھکتوں کے استقبال کے نعرے لکھے ہوئے تھے درگاہ کے آس پاس بھگوا ٹوپی پہنے شیو سینکوں کا پہرہ تھا اور لوگ اس خوف سے کہ کہیں فساد نہ ہو جائے خاموش رہنے پر مجبور تھے۔

شیو سینا والوں کا کہنا ہے کہ یہ حاجی ملنگ کی درگاہ نہیں بلکہ شری ملنگ کی سمادھی ہے۔ اس لئے اس کا نام شری ملنگ کر دیا جائے۔ وزیر اعلی جوشی یقین دہانی کراتے ہیں کہ نام بدلا نہیں جائے گا لیکن لگے ہاتھوں پوجا کرنے بھی جاتے ہیں۔ اس موقع پر شیو سینکوں نے جے شری ملنگ کے نعرے لگا کر یہ بتانے کی کوشش کی کہ یہ درگاہ نہیں مندر ہے۔ کچھ شیو سینکوں کا کہنا ہے کہ یہ شیو مندر ہے۔ جبکہ مسلمانوں کا کہنا ہے کہ یہ بابا عبدالرحمن ملنگ کی درگاہ ہے۔ وہ کہیں اور سے آکر اس پہاڑی پر بس گئے تھے اور ان کی موت کے بعد وہیں ان کی قبر بنی۔ اس درگاہ پر ہندو اور مسلمان دونوں حاضری دیتے ہیں۔

بہر حال یہ عبدالرحمن ملنگ کی درگاہ ہو یا شری ملنگ کی سمادھی۔ اگر اس کو بنیاد بنا کر کوئی تنازعہ کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی تو اس سے عوام کا تو کوئی بھلا نہیں ہوگا البتہ سیاستدانوں کی مقصد برآری ہو جائے گی۔ فسادات ہوں گے معصوم اور بے قصور لوگوں کی جانیں ضائع ہوں گی اور ایک بار پھر بمبئی شعلوں کی نذر ہو جائے گی۔ اس لئے شیو سینا حکومت کو چاہئے کہ وہ اپنے شیو سینکوں کو قابو میں رکھے اور کسی بھی قسم کے ہنگامے کی چھوٹ نہ دے۔ عوام نے بہت کچھ جھیل لیا ہے اب تو اسے معاف کرو۔

●

حسنی مبارک نے مصر کے ملحدوں کو ہری جھنڈی دکھادی ــــــ اب

توہین اسلام کے مرتکب ادیبوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی غیر قانونی ہوگی

گذشتہ دو تین سالوں سے مصر کے اسلام پسند ..ء کورٹ کے ذریعہ اسلام دشمن عناصر کا ..بلہ کرنے میں مصروف تھے۔ حسنی مبارک کو ..ہر ہے ان کی یہ ادا پسند نہیں آئی اور اب ..ہوں نے ایک ایسے قانونی مسودے کو منظوری ..ے دی ہے جس سے اسلام پسند وکیلوں کو ان ..لحد ادیبوں اور دانشوروں کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کی اجازت نہ ہوگی جو اسلام کی توہین کرتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے پارلیامنٹ سے اس قانون کو فوراً منظوری مل جائے گی کیونکہ اپوزیشن ممبران برائے نام ہیں۔ چند ماہ قبل مصر کے پارلیامانی انتخابات میں دھاندلی سے صرف حسنی مبارک کے امیدوار ہی کامیاب ہوئے۔ اپوزیشن دس فیصد سیٹیں بھی حاصل کرنے میں "ناکام" رہی تھی۔

کچھ عرصہ ہوا کہ مصر کے ایک سینئر اسلام پسند وکیل نے قاہرہ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نصر ابوزید کے خلاف مقدمہ دائر کیا تھا کہ ان کی تحریر سے اسلام کی توہین ہوتی ہے اس لئے انہیں ملحد قرار دیا جائے۔ اس میں کامیابی کے بعد کورٹ میں یہ اپیل کی گئی کہ چونکہ ملحد سے مسلمہ کا نکاح جائز نہیں ہے اس لئے ابوزید کی بیوی کو ان سے علیحدہ کردیا جائے۔ اس مقدمے میں بھی اسلام پسند وکیل کی جیت ہوئی۔ ابوزید اور ان کی اہلیہ اس کے بعد ہالینڈ چلے گئے۔ اسلام پسند وکیل دراصل اس طرح کے مقدمات سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ملک کا مذہب اگر اسلام ہے اور اسلامی شریعت ہی تمام ملکی قوانین کا سرچشمہ ہے تو پھر اسے عملاً نافذ بھی ہونا چاہئے اور مصری سماج میں اسلام دشمنوں کو وہ سہولتیں نہیں ملنی چاہئیں جو ایک مسلمان ہی کے لئے جائز ہیں۔

مصری دستور میں لکھا ہوا ہے کہ اسلامی شریعت ملک کے تمام قوانین کا سرچشمہ ہے۔ شریعت میں ایک قانون "حسبہ" نامی ہے جس کے مطابق کوئی بھی مسلمان اسلام کے دفاع کے لئے کورٹ میں مقدمہ دائر کرسکتا ہے۔ چونکہ قانون کی اسی دفعہ کو اسلام پسند ملحد ادباء و شعراء اور دانشوروں کے خلاف مقدمات دائر کرنے کے لئے استعمال کر رہے تھے اس لئے حسنی مبارک نے مجوزہ قانونی مسودے میں یہ شامل کردیا ہے کہ کسی ایک کے الحاد کی بنیاد پر کسی شادی شدہ جوڑے کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے کے لئے کورٹ میں مقدمہ داخل کرنے سے پہلے حکومت سے اجازت لینا ضروری ہوگا۔

یہ مجوزہ قانونی مسودہ ۲۸ جنوری کو اخبارات میں شائع ہوا اور اسی کے بعد سے مصر میں رد عمل بھی شروع ہوگیا۔ سیکولر ذہن کے وکیلوں نے اس مسودے کی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ یہ ان کے مطالبات کو پورا نہیں کرتا۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر متعلقہ افسر خود ہی اسلام پسند ہو یا اس کی ہمدردیاں ایسے عناصر کے ساتھ ہوں تو وہ مقدمہ چلانے کی فوراً اجازت دے دے گا۔ اس لئے ان کی رائے میں شریعت کی "حسبہ" والی دفعہ ہی پورے طور سے ختم کردی جائے۔

صدر حسنی مبارک: ملحدوں کے ہمنوا ملحدوں کے سرپرست

اسلام پسند وکیلوں نے قابل فہم طور پر اس قانونی مسودے کی بھرپور مذمت کی ہے۔ یوسف البدری جنہوں نے نصر ابوزید کے خلاف مقدمہ دائر کیا تھا اور جو ایک سینئر وکیل ہیں، کہا کہ یہ مسلمانوں کو اپنے عقائد کا دفاع کرنے کے حق کو محدود کرنے کی مذموم کوشش ہے۔ البدری نے مزید کہا کہ انہوں نے ایسے دس فنکاروں، ادیبوں اور دانشوروں کے خلاف مقدمہ دائر کر رکھا ہے جن کی تحریریں اسلام دشمن ہیں یا اسلام کی توہین کی مرتکب ہوئی ہیں۔ اب اس قانون کے بعد ایسے سارے مقدمات کالعدم ہوجائیں گے اور ایک مسلمان کو اپنے دین کے دفاع کا حق حاصل نہیں رہے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ جو اپنے مذہب کی توہین کرتا ہے وہ اپنے مذہب کا باغی ہے اس لئے اسے سزا ملنی چاہئے۔

مگر حسنی مبارک اپنی مغرب نوازی کی وجہ سے اس کے خلاف ہیں۔ مصری حکمراں طبقہ اسلام کا نام تو لینا چاہتا ہے مگر اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کورٹ ان کی اس روش کے خلاف ایک موثر ہتھیار ثابت ہو رہی تھی۔ مگر اب حسنی مبارک نے اس ہتھیار کو بھی ناکارہ بنانے کا اہتمام کردیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے ایسے ہتھکنڈے صرف وقتی طور سے ہی کامیاب ہوسکتے ہیں۔

حکومت کے سیاسی نظام کو درہم برہم کر سکتا ہے

بحرین میں اپنے حقوق کی بحالی کے لیے شیعوں کا زبردست احتجاج

بحرین میں تین سال کے اندر دوسری بار بڑے پیمانے پر احتجاجات ہوئے ہیں۔ ان احتجاجوں میں سب سے آگے شیعہ آبادی ہے جو زیادہ تر گاؤوں میں آباد ہے اور سنیوں کے مقابلے میں کم پڑھی لکھی ہے جس کی وجہ سے نوکریوں میں ان کا حصہ بہت تھوڑا ہے۔ دسمبر ۱۹۹۴ء میں ایک شیعہ عالم شیخ علی سلمان کی قیادت میں شیعہ نوجوانوں کے ایک گروپ نے لیبر منسٹری کے سامنے دھرنا دیا تھا۔ شیخ سلمان اور ان کے حامی حکومت سے روزگار مانگنے کے علاوہ ۱۹۷۵ء میں تحلیل کردی گئی پارلیامنٹ کا ازسرنو احیاء بھی چاہتے تھے۔ حکومت نے شیخ سلمان کو گرفتار کرکے ملک بدر کردیا۔ اس فیصلے کے خلاف شیعہ آبادی نے زبردست احتجاج کیا لیکن حکومت نے ٹس سے مس نہ کی۔ اس عوامی احتجاج کو پولیس نے سختی سے کچل دیا تھا۔

بدقسمتی سے اس فساد سے حکومت نے کوئی سبق نہیں لیا۔ بحرین کی سیاست اور صورت حال پر نظر رکھنے والے اس امر پر متفق ہیں کہ وہاں کی شیعہ آبادی پر بھی حکومت کی توجہ کرنی چاہیے۔ نیز بے روزگار پڑھے لکھے شیعہ نوجوانوں کو روزگار کے مواقع بھی ملنے چاہئیں۔ اگر حکومت ایسا کرے تو اسے احتجاجات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ حالیہ احتجاج میں بھی صرف وہی شیعہ نوجوان پیش پیش ہیں جو بے روزگار ہیں۔ برسر روزگار شیعہ نوجوان ان احتجاجوں سے دور رہے ہیں۔

> شیعوں کے مطابق وہ بحرین میں اکثریت میں ہیں۔ غیر جانبدار مبصرین بھی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن بحرینی حکومت کا کہنا ہے کہ ایسا پہلے کبھی تھا اب صورت حال بدل گئی ہے اور سنی اکثریت میں آگئے ہیں۔ لیکن اس امر سے کوئی بھی اختلاف نہ کرے گا کہ حکومت شیعوں کے خلاف امتیاز سے کام لیتی ہے۔

شیعوں کے مطابق وہ بحرین میں اکثریت میں ہیں۔ غیر جانبدار مبصرین بھی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن بحرینی حکومت کا کہنا ہے کہ ایسا پہلے کبھی تھا، اب صورت حال بدل گئی ہے اور سنی اکثریت میں آگئے ہیں۔ لیکن اس امر سے کوئی بھی اختلاف نہ کرے گا کہ حکومت شیعوں کے خلاف امتیاز سے کام لیتی ہے۔ فوج اور پولیس کے اہم عہدوں پر بالعموم کسی شیعہ کا تقرر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اسکول اور کالجوں میں شیعوں کا تناسب بہت کم ہے۔ سول سروس میں شیعوں کا تناسب سنیوں کے مقابلے میں اور بھی کم ہے۔ ان ساری وجوہ سے شیعہ آبادی میں بے روزگاری بہت زیادہ ہے جو وقتاً فوقتاً احتجاج اور فساد کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

بحرینی حکومت جب بھی شیعہ احتجاج کرتے ہیں، ایران پر الزام لگاتی ہے کہ وہ ایسا کروا رہا ہے۔ ممکن ہے کسی حد تک یہ صحیح ہو۔ لیکن اصل وجہ وہی ہے کہ شیعہ آبادی میں بڑے پیمانے پر احساس محرومی پایا جاتا ہے۔ اس لئے حکومت بحرین کو عرب ممالک کے وزراء داخلہ کی میٹنگ کرکے ان کا تعاون حاصل کرنے، ایران پر الزام لگانے یا مارشل لالگانے کی دھمکی کے بجائے مظاہرین کے اصل مطالبات پر توجہ دینی چاہئے۔

حالیہ مظاہرے وسط جنوری میں شروع ہوئے۔ اس بار مظاہروں کی قیادت ایک دوسرے شیعہ عالم شیخ عبدالعامر الجمری کر رہے ہیں۔ شیعہ گاؤوں میں ہر طرف نوجوانوں نے دیواروں پر نعرے لکھ رکھے ہیں۔ پولیس نے پینٹ چھڑک کر انہیں مٹانے کی کوشش کی ہے لیکن اب بھی یہ نعرے اکثر جگہوں پر پڑھے جاسکتے ہیں۔ ان نعروں سے صرف یہی اندازہ ہوتا ہے کہ مظاہرین حکومت کا تختہ پلٹنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ ان کے صرف دو ہی مطالبے ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں تحلیل کی گئی پارلیامنٹ کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور شیعوں کی بے روزگاری ختم کی جائے۔ کسی جمہوری ملک میں یہ مطالبات بالکل جائز تصور کئے جائیں گے۔ لیکن بحرین کی شخصی حکومت مظاہرین کے ان مطالبات کو سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ الٹا اس نے ملک میں مارشل لالگانے کی دھمکی دی ہے۔ فوج نے بھی شیخ خلیفہ، امیر بحرین کو یقین دلایا ہے کہ جس وقت بھی انہیں اس کی ضرورت ہوگی وہ فوج کو تیار پائیں گے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے حربوں سے امیر خلیفہ اپنے عوام کو آخر کب تک دبا کر رکھیں گے۔ ان کے لئے بہتر راستہ یہی ہوگا کہ سیاسی مطالبہ کو نظر انداز کرکے جو پارلیامنٹ کے ازسرنو احیاء سے متعلق ہے، بے روزگار نوجوانوں کو نوکریاں دے کر ان کے شدت پسند رہنماؤں سے انہیں الگ کردیں۔ یہی لائحہ عمل ان کی حکومت اور ملک دونوں کے مفاد میں ہے۔ تشدد سے دبانے اور کچلنے کی پالیسی وقتی کامیابی ضرور دلاتی ہے لیکن یہ مسئلے کا حتمی حل نہیں ہے۔

چیچنیا کے مسلمانوں پر ہونے والے روسی مظالم سے چشم پوشی کرکے

ایران نے بالآخر روس سے نیوکلیر معاہدہ کر ہی لیا

ایران کے آخری بادشاہ رضا شاہ کے دور میں جرمنی کی ایک فرم سیمنس سے ایک معاہدہ ہوا تھا جس کے مطابق ایرانی شہر بوشہر میں ایک نیوکلیر پلانٹ تعمیر کرنا تھا۔ پلانٹ پر کام ابھی جاری تھا کہ ۱۹۷۹ء میں ایران میں شاہ کا تختہ پلٹ کر اسلامی انقلاب برپا کردیا گیا، چونکہ بنیادی طور پر یہ انقلاب امریکہ مخالف اور مغرب کی بالادستی

امریکی اعتراض کے جواب میں روسی کہتے ہیں کہ ان ری ایکٹروں کی مدد سے ایران ایٹمی ہتھیار نہیں بنا سکتا۔ امریکیوں کے اندیشے یا خوف کو فرضی بتاتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ مخالف کی اصل وجہ یہ ہے کہ امریکہ اور مغربی ممالک اس فائدہ مند تجارت سے روس کو نکال باہر کرنا چاہتے ہیں۔

کے خلاف تھا اس لئے مغربی ممالک نے اس نئے انقلاب کو ہر انداز سے سبوتاژ کرنے کی کوشش کی۔ اسی وسیع کوشش کے ایک حصے کے طور پر جرمنی نے معاہدہ توڑ کر بوشہر کے پلانٹ پر کام بند کردیا۔ اس کے بعد ایران کو پھر کوئی دوسرا ملک ایسا نہ ملا جو اس کی مدد کرسکتا۔ سابق سوویت یونین، مغرب دشمنی میں شاید ایسا کرسکتا تھا مگر ایران سوویت روس کے افغانستان پر حملے اور اس کے بحیثیت مجموعی اسلام دشمن رویے کی وجہ سے اس سے بھی دور تھا۔

مگر سوویت یونین کے زوال کے بعد صورت حال یکسر بدل گئی۔ دنیا کا سیاسی نقشہ و منظر تو بدلا ہی، خود ایران میں نظریے اور آئیڈیل سے زیادہ حکمت عملی پر زور دیا جانے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ جنوری ۱۹۹۵ء میں ایران اور روس دونوں نے ایک معاہدہ پر دستخط کردئے جس کے مطابق روس ایران میں ایٹمی ری ایکٹر کی تعمیر میں مدد دے گا۔ روس اس وقت سخت معاشی حالات سے گزر رہا ہے۔ اس لئے وہ امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک کی سخت مخالفت کے باوجود نہ صرف بوشہر میں جرمنی کے ادھورے چھوڑے ری ایکٹر کی تکمیل پر راضی ہو گیا بلکہ وہ نئے ری ایکٹر فروخت کرنے کے لئے بھی تیار ہے۔ امریکی اعتراض کے جواب میں روسی کہتے ہیں کہ ان ری ایکٹروں کی مدد سے ایران ایٹمی ہتھیار نہیں بنا سکتا۔ امریکیوں کے اندیشے یا خوف کو فرضی بتاتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ مخالفت کی اصل وجہ یہ ہے کہ امریکہ اور مغربی ممالک اس فائدہ مند تجارت سے روس کو نکال باہر کرنا چاہتے ہیں۔

اس وقت روس کے دو سو سے زائد ایٹمی سائنسداں اور تکنیکی ماہرین بوشہر کے ایٹمی پلانٹ پر کام کر رہے ہیں۔ روسیوں نے اس پلانٹ کی تکمیل کے لئے آٹھ سو ملین ڈالر کا ایک معاہدہ کیا ہے۔ اب تک جرمنی کے چھوڑے ہوئے پروجیکٹ کی باقیات کو جس میں بعض

عمارتیں وغیرہ شامل تھیں، ختم کیا جاچکا ہے۔ روسیوں کا اندازہ ہے کہ اس مقام کی صفائی میں تقریباً سال بھر کا وقفہ لگے گا۔ اور اس کے بعد اصل جوہری پاور پلانٹ پر کام شروع ہو گا۔

بوشہر میں اس ایٹمی پلانٹ کی تعمیر نو کے لئے روس کو آٹھ سو ملین ڈالر ملیں گے جو اس کی خراب معاشی صورت حال کو بہتر بنانے میں کافی مدد دیں گے۔ اس پلانٹ کے علاوہ روس چار جوہری ری ایکٹر بھی فروخت کرنے کو تیار ہے۔ وہ پہلے ہی یہ عہد کر چکا ہے کہ ایران کو تیس ملین ڈالر کی قیمت کا ایندھن بھی ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۱ء تک فراہم کرتا رہے گا۔ مزید برآں وہ استعمال شدہ ایندھن کو دوبارہ لائق استعمال بنانے میں بھی مدد دے گا۔ اس پلانٹ کو مکمل کرنے میں ساڑھے چار سال کا عرصہ لگے گا۔

ایران اور روس دونوں کو مغرب کی مخالفت کا سامنا ہے۔ اس معاہدے کی بات عام ہونے کے فوراً بعد سے امریکہ روس پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ وہ ایسا نہ کرے کیونکہ اس کے بقول ایران کو اس سے ایٹمی ہتھیار بنانے میں مدد ملے گی۔ روس کو اندیشہ تھا کہ مغربی ممالک بالخصوص امریکہ اس کی مالی مدد بھی روک سکتے ہیں۔ لیکن روس کو امریکہ و مغرب سے مدد کم نصیحتیں اور دھمکیاں زیادہ ملی ہیں۔ غالباً اسی لئے اس نے ساری مخالفتوں کے باوجود ایران کے ساتھ سودا منظور کرلیا۔

ایران نے بھی اس سودے کی خاطر اپنی خارجہ پالیسی کے ایک ستون کو گرا دیا ہے۔ ایرانی دستور میں تحریر ہے کہ ایران کی خارجہ پالیسی دنیا کے مظلوم مسلمانوں کے حق میں کام کرے گی۔ لیکن محض اس سودے کی خاطر اس نے چیچنیا کے مسلمانوں پر ہونے والے روسی مظالم سے چشم پوشی اختیار کررکھی ہے۔

کیا معمر قذافی امریکہ میں خانہ جنگی کروانا چاہتے ہیں

جہاں کرنل معمر قذافی امریکہ دشمنی کے لئے مشہور ہیں وہیں وہ اپنی سیاسی شعبدے بازیوں کے لئے بھی ایک عالم میں جانے جاتے ہیں۔ نیا شوشہ انہوں نے سیاہ فام امریکی مسلم لیڈر لوئی فرح خان سے ملاقات کے بعد یہ چھوڑا ہے کہ وہ ایک ارب ڈالر خرچ کرکے امریکہ میں ایک مسلم لابی تیار کریں گے۔ کوئی بھی سمجھ سکتا ہے کہ کرنل کے ذہن میں کیا ہے۔ حال ہی میں لوئی فرح خان نے جو نیشن آف اسلام کے سربراہ ہیں، امریکہ میں MillionManMarch منظم کیا تھا جس میں دس لاکھ تو نہیں لیکن اندازہ پانچ لاکھ سے زائد لوگ شریک ہوئے تھے۔ ظاہر ہے اس نے فرح خان کو راتوں رات کافی قد آور بنا دیا۔ فرح خان سیاہ فاموں کے مسائل کو لے کر امریکی حکومت اور سفید فام اکثریت کی سخت تنقید کرتے رہتے ہیں۔ کرنل نے اس پس منظر میں سوچا کہ انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کریں۔ یہ ممکن ہے کہ خود لوئی فرح خان نے سوچا ہو کہ کرنل اور امریکہ کی دشمنی کو دیکھ کر لیبیا سے مالی امداد کی توقع بیجا نہ ہوگی۔ اپنے اپنے مسائل اور مفادات ہی دونوں کو ایک دوسرے سے بظاہر قریب لائے ہیں۔ لیکن اگر کرنل کو فرح خان کی مدد کرکے ایک مسلم لابی بنانی ہی تھی تو ایسا خفیہ طریقہ سے کر ڈالتے۔ اس ضمن میں ببانگ دہل اعلان سے وہ کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟۔ کہیں یہ محض دکھاوا تو نہیں، محض سیاسی شعبدہ بازی تو نہیں؟۔

لیبیا اور امریکہ کے درمیان، خاص طور سے

جہاں کرنل معمر قذافی امریکہ دشمنی کے لئے مشہور ہیں وہیں وہ اپنی سیاسی شعبدے بازیوں کے لئے بھی ایک عالم میں جانے جاتے ہیں۔ نیا شوشہ انہوں نے سیاہ فام امریکی مسلم لیڈر لوئی فرح خان سے ملاقات کے بعد یہ چھوڑا ہے کہ وہ ایک ارب ڈالر خرچ کرکے امریکہ میں ایک مسلم لابی تیار کریں گے۔

سابق صدر ریگن کے دور سے سخت تنازعہ چلا آرہا ہے۔ بلاشبہ اکثر معاملات میں لیبیا نے اصولاً درست موقف اختیار کیا۔ لیکن کرنل قذافی کی بڑا بولنے کی عادت نے ہمیشہ ان کے لئے مسائل پیدا کئے۔ امریکہ جیسی بڑی طاقت سے لڑنے کے لئے جس فوجی و سفارتی تیاری کی ضرورت ہے، اکثر اس کے بغیر کرنل اعلان جنگ کرتے رہے اور آج نتیجہ یہ ہے کہ ان کے برادر عرب ممالک بھی ان کی زبانی ہمدردی کے علاوہ کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ خود کرنل بھی بس بیانات ہی کے گولے داغ رہے ہیں۔

۲۵ جنوری کو لیبیا کی خبر رساں ایجنسی جانا نے کرنل قذافی کے بیان کو جاری کیا۔ اس سے چند روز قبل کرنل اور لوئی فرح خان کے درمیان ملاقات ہوئی تھی۔ علامات کے بعد کرنل نے کیا کہا وہ ایک بیان کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ ان کے بقول "امریکہ سے تصادم اب تک ایسی جنگ کی طرح تھا جو کسی قلعے کے خلاف باہر سے لڑی جارہی تھی اور آج ہمیں اس قلعے میں داخل ہونے اور اس سے اندر سے لڑنے کے لئے شگاف ملا ہے۔" کرنل نے مزید کہا کہ "اس معاملے پر ہم نے لوئی فرح خان سے اتفاق کیا ہے کہ وہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے کچلی ہوئی اقلیتوں کو منظم کریں جس میں اگلے محاذ پر سیاہ فام باشندے، عرب، مسلمان اور ریڈ انڈین ہوں کیوں کہ وہ امریکہ کی سیاسی زندگی میں اہم رول ادا کرتے ہیں اور امریکی انتخابات میں ان کا وزن ہے۔"

لوئی فرح خان نے لیبیا میں قذافی سے ۲۳ جنوری ۱۹۹۶ء کو ملاقات کی تھی۔ مذاکرات کے دوران کرنل نے کہا کہ سیاہ فام امریکہ میں اچھی خاصی تعداد میں ہیں۔ وہ چاہیں تو امریکہ میں اپنی ریاست قائم کرسکتے ہیں۔ جس کی فوج سب سے بڑی سیاہ فام فوج ہوگی۔ جانا نے کرنل کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ "ان دبائی ہوئی اقلیتوں نے جن میں نیشن آف اسلام کے سیاہ فام آگے آگے ہیں، اس سے اتفاق کیا ہے کہ وہ انتخابات میں ایک ایسے کارڈ کے طور پر داخل ہوں گی جو یہودی کارڈ سے زیادہ مضبوط ہے تاکہ وہ اپنے قانونی اور جائز حقوق حاصل کرسکیں۔ سیاہ فام ایک دن اس لائق ہوں گے کہ امریکہ میں ان کی اپنی ریاست ہو بالخصوص اس وجہ سے کہ وہ امریکی فوج میں پانچ لاکھ ہیں۔ اس طرح کرہ ارض پر ان کی سب سے بڑی سیاہ فام فوج ہوگی۔"

جانا نے لوئی فرح خان کے تاثر کو بھی جاری کیا ہے۔ کرنل کے برعکس فرح خان نے سنجیدگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ "میں اس ملاقات کے نتائج سے خوش ہوں، خاص طور سے عربوں، مسلمانوں، سیاہ فاموں اور امریکہ کے دوسرے کچلے ہوئے طبقوں کو متحد کرنے کی بات سے تاکہ وہ نہ صرف امریکی انتخابات میں ایک اہم رول ادا کرسکیں بلکہ اس کی خارجہ پالیسی کی تشکیل میں بھی۔"

بظاہر یہ ایک اچھا پروگرام تھا اور ضرورت تھی کہ اس کام کو زیادہ سنجیدگی سے کیا جاتا۔ بلاشبہ اگر کچھ زیادہ سنجیدہ لوگ علمی اور عملی دونوں سطح پر اس کام کو کریں یعنی مذکورہ گروہوں اور طبقات کو امریکہ میں سیاسی سطح پر متحد کریں تاکہ یہودیوں کے حد سے بڑھے ہوئے انتخابی وزن کا مقابلہ کرسکیں تو اس سے امریکی سیاست اور پالیسی سازی میں ایک انقلاب آسکتا ہے۔ ●

کیا ابن علی نہضہ پارٹی کے ہزاروں کارکنوں کو جیل میں ڈالنے کے بعد

تیونس کو الجزائر کے راستے پر لے جانا چاہتے ہیں

محمد کیلانی تیونس کے ایک جانے مانے کمیونسٹ صحافی ہیں۔ وہ پہلے ایک اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ اپنا صحافتی فرض ادا کرتے ہوئے انہوں نے نہضہ پارٹی، جس پر پابندی ہے، کا کہیں سے ایک کارٹون حاصل کرلیا تھا۔ یہ کارٹون اور ایسی دوسری خبریں نہضہ پارٹی کے کارکن خفیہ طریقے سے تقسیم کرتے یا عوامی جگہوں پر چسپاں کردیتے ہیں۔ حکومت نے کیلانی کو یہ کہہ کر گرفتار کرلیا کہ ان کے "دہشت گردوں" سے تعلقات ہیں۔ اور اس "جرم" کو ثابت کرنے کے لئے نہضہ کا جاری کردہ وہ کارٹون کافی تھا، جو کیلانی کے پاس سے ملا تھا۔ اور اس "سنگین" جرم کی وجہ سے بیچارے کیلانی کو، جسے نہضہ کی اسلام پسندی سے اتنی ہی دشمنی ہے جتنی صدر زین العابدین بن علی کی حکومت سے، پانچ سال قید کی سزا ہوگئی۔ اس وقت کیلانی اپنی سزا کا دوسرا سال جیل میں گزار رہے ہیں۔

تیونس ایک مغرب پسند ملک ہے جہاں آمریت کا دور دورہ ہے۔ مٹھی بھر مغرب پسندوں نے فوج اور پولیس کی مدد سے ملک پر ایک طرح سے قبضہ کر رکھا ہے۔ مغرب بھی، الجزائر کے تجربے کے بعد اس علاقے میں امن چاہتا ہے۔ اس لئے وہ زین العابدین بن علی کی آمریت کو نظرانداز کر کے ان کی خوب معاشی مدد کر رہا ہے۔ تیونس میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مطابق کئی ہزار سیاسی قیدی ہیں جن میں سے زیادہ تر کا تعلق نہضہ پارٹی سے ہے۔ حکومت صحافیوں کی سرگرمی پر خصوصیت سے نظر رکھتی ہے۔ غیر ملکی اخبارات و رسائل پر اکثر پابندی لگا دی جاتی ہے۔ اور جہاں تک مقامی قومی اخبارات کا تعلق ہے تو انہیں کچھ اس طرح کی خبریں شائع کرنے کی اجازت ہے کہ "مسجد کے اماموں اور دعاۃ نے صدر بن علی کو ایک تار بھیج کر ہر قسم کی "انتہا پسندی" (اسے اسلام پسندی پڑھیں) کا مقابلہ کرنے کا وعدہ کیا ہے اور یہ کہ وہ "عہد جدید" کے مقاصد اور ترجیحات کو پورا کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھیں گے۔" وغیرہ وغیرہ۔

صدر زین العابدین ابن علی: تیونس کو الجزائر بنانے پر تلے ہوئے ہیں

صدر زین العابدین ابن علی حبیب بورغیبا کو ہٹا کر ۱۹۸۷ء میں تیونس کے صدر بنے۔ اس کے بعد سے انہوں نے جو پروگرام شروع کئے اسے وہ "عہد جدید" سے تعبیر کرتے ہیں اس عہد جدید کا اولیں مقصد روز بروز مقبول ہو رہی نہضہ پارٹی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا تھا۔ پانچ سال قبل اس اسلام پسند جماعت نے میونسپل انتخابات میں قانونی طور سے حصہ لیا تھا اور اسے پندرہ فیصد ووٹ ملے تھے۔ اسی چیز نے ابن علی کے کان کھڑے کردئے۔ اسے اپنے مستقبل کے لئے خطرہ تصور کرتے ہوئے انہوں نے نہ صرف اس پر پابندی لگا دی بلکہ اس کے ہزاروں کارکنوں کو جیلوں میں بھر دیا۔ متوقع عوامی بے چینی کو دبانے کے لئے انہوں نے بورغیبا کے دور کی بیس ہزار پولیس کی تعداد بڑھا کر ۸۰ ہزار کردی جو ہر جگہ موجود رہتی ہے اور کسی بھی وقت کسی کے بھی گھر میں گھس کر تلاشی لے سکتی ہے یا گرفتار کرسکتی ہے۔ مختصر یہ کہ تیونس اس وقت ایک پولیس اسٹیٹ ہے جہاں یوں تو قانونا چار اپوزیشن جماعتیں ہیں لیکن ان کا کوئی سیاسی وزن نہیں ہے۔ نہضہ سماج کے محروم طبقوں کی مدد سے آگے بڑھ رہی تھی جسے بظاہر دبا دیا گیا ہے۔

ابن علی کے اقتدار میں آنے سے پہلے ہی سے تیونس کا متوسط طبقہ کافی خوشحال رہا ہے۔ ٹورزم ملک کی سب سے بڑی انڈسٹری ہے۔ ہر سال تقریبا تیس لاکھ لوگ یہاں سیاحت کی غرض سے آتے ہیں جس سے بھاری مقدار میں زر مبادلہ ملتا ہے۔ پولیس کی کوشش ہوتی ہے کہ یہ لوگ ساحل سمندر پر بنے ہوئے ہوٹلوں اور دوسری تفریح گاہوں تک محدود رہیں اور عوام سے گھل مل کر وہاں کے صحیح حالات معلوم نہ کرسکیں۔

ابن علی کے برسر اقتدار آنے کے بعد تیونس میں بعض صنعتیں بھی قائم ہوئی ہیں جن سے بعض مصنوعات کی برآمدات میں کافی اضافہ ہوا ہے۔

اس صورت حال سے تیونس کا متوسط طبقہ اور غیر ملکی بینک کافی خوش ہیں۔ لیکن یوروگوائے تجارتی معاہدے پر دستخط کرنے سے ۲۰۰۰ میں تیونس کو کھلے بازار کی پالیسی اختیار کرنی پڑے گی۔ ظاہر ہے اس وقت تحفظات کی عادی تیونسی صنعتوں کو کثیر الاقوامی صنعتوں سے مقابلہ کرنا پڑے گا جس سے انہیں کافی نقصان ہوسکتا ہے

یوں تو کہنے کو تیونس میں ہر شخص کی اوسط سالانہ آمدنی دو ہزار ڈالر ہے لیکن ایسا اس وجہ سے ہے کہ سینکڑوں کروڑ پتیوں کی دولت بھی اعداد و شمار تیار کرنے کے یا اوسط نکالنے کے لئے کاغذ پر سب میں برابر برابر تقسیم کردی جاتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ تیونس میں امیر و غریب کا فرق ہر جگہ نظر آتا ہے۔ بے شمار غرباء ہیں جو متوسط طبقہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔ حکومت کا دعوی ہے کہ ۱۹۷۰ء میں ہر تین میں سے ایک شخص سرکاری متعین کردہ غربت کی سطح سے نیچے زندگی بسر کر رہا تھا۔ لیکن اب ہر ۲۰ میں سے صرف ایک ہی شخص اس قدر غریب ہے۔ اسی طرح حکومت کے دعوے کے مطابق بے روزگاری صرف ۱۴ فیصد ہے۔ لیکن سچائی یہ ہے کہ تیونس میں اب بھی اکثریت غریب ہے۔ آزادی کے بعد جو دولت آئی ہے اس پر چند سرمایہ داروں کا قبضہ ہے اور اس سے صرف ایک قابل لحاظ متوسط طبقہ کو فائدہ پہنچا ہے۔ دیہات کو تو چھوڑیئے کسی بھی شہر میں جا کر دیکھ لیں امیر اور غریب کا فرق ہر جگہ نمایاں نظر آئے گا۔

غریب علاقوں میں اسلام پسند نہضہ پارٹی انہیں غرباء میں سرگرم تھی بالکل ویسے ہی جیسے ترکی میں ویلفیئر پارٹی سرگرم ہے۔ یہ جماعت غریب علاقوں میں کلینک چلاتی، بلا سودی قرض فراہم کرتی اور دوسرے طریقوں سے سماجی کام کرتی

باقی صفحہ ۱۲ پر

بے آب و گیاہ پہاڑی جزیرے کے لیے اریٹریا اور یمن کے درمیان کشمکش

بحر احمر میں یمن اور ایتھوپیا کے درمیان چند بے آب و گیاہ پہاڑی جزیرے ہیں جو حال ہی میں اس وقت دنیا کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ جب نئے آزاد شدہ اریٹریا کی فوجوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ ادھر یمن نے ان جزائر پر اپنے اقتدار اعلی کا اعلان کردیا جس کے بعد ایسا محسوس ہونے لگا کہ شاید دونوں ملکوں کے درمیان جنگ بھڑک ساٹھے۔ مگر یمن نے سوجھ بوجھ سے کام لیا اور جنگ کے بجائے دو طرفہ مذاکرات کے ذریعہ مسئلے کو حل کرنے کی پیش کش کردی جسے اریٹریا نے بھی تسلیم کرلیا۔

ان جزائر کا عربی نام تو نہیں معلوم لیکن انگریزی میں انہیں Hanish کہتے ہیں۔ ان جزائر کی کبھی کوئی فوجی اہمیت نہیں رہی۔ ہاں البتہ ہمیشہ ان کا صرف ایک مقصد کے لئے استعمال ہوا ہے اور وہ یہ کہ ان جزائر پر کچھ روشنی گھر ہیں جہاں صدیوں سے رات میں روشنی جلانے کا اہتمام ہے۔ اس کا مقصد رات کی تاریکی میں سفر کرنے والے جہازوں کو یہ آگاہی دینا ہے کہ ادھر کا رخ کرنا خطرناک ہے۔ ان جزائر پر روشنی گھروں کی تعمیر عثمانی سلطنت نے کی تھی اور اپنے اختتام سے قبل اسی کا ایک طرح سے ان پر قبضہ تھا۔ ۱۹۲۳ء میں لاسانے میں شکست خوردہ ترکی کی قسمت طے کرنے کے لئے جو کانفرنس ہوئی تھی اس میں ان جزائر کے کسی اقتدار اعلی کے بارے میں فیصلہ مستقبل پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے آج تک کسی نے ان کے بارے میں سوچنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ وجہ غالبا یہ ہے کہ ان جزائر کی کوئی معاشی و فوجی اہمیت نہیں ہے۔

عثمانی سلطنت کے خاتمے کے بعد برطانیہ اور اٹلی نے، جو اس علاقے کی استعماری طاقتیں تھیں، ان جزائر پر روشنی کے انتظام کے بارے میں ۱۹۳۸ء میں ایک فیصلہ کیا تھا اور کسی نے بھی ان پر اقتدار اعلی کا سوال نہیں اٹھایا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد بھی، جب برطانیہ ہی اس علاقے میں باقی رہ گیا تھا، ان جزائر کی ملکیت کا فیصلہ نہیں کیا گیا۔ ۱۹۶۷ء میں یمن سے نکلنے کے بعد بھی، بہر حال برطانیہ یہاں روشنی کا محدود طور پر انتظام کرتا رہا۔ ایتھوپیا ۱۹۴۲ء میں آزاد ہوا اور آج تک اس نے بھی ان جزائر پر اپنے اقتدار اعلی کا دعوی نہیں کیا اور نہ ہی یمن نے۔ البتہ اریٹریا کے گوریلا، ایتھوپیا سے اپنی آزادی کی جنگ کے دوران ان جزائر کو پناہ گاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ ۱۹۹۳ء میں اپنی آزادی کے بعد اریٹریا نے ان پر اپنے اقتدار اعلی کا دعوی کیا اور اسی وقت سے یہ جزائر ایک مسئلہ بن گئے۔

> اسی وقت ان جزائر کی ملکیت کا مسئلہ کیوں پیدا ہوا اور کیوں اریٹریا نے ان بے آب و گیاہ جزائر کو فوجی طاقت سے حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی؟ بعض عرب مبصرین کا خیال ہے کہ یہ ایک اسرائیلی سازش ہے جس کے ذریعہ وہ پورے بحر احمر پر اپنا کنٹرول چاہتا ہے۔ واضح رہے کہ اریٹریا سے اسرائیل کے بڑے گہرے تعلقات ہیں اور اس دو طرفہ دوستی کو امریکی سرپرستی ہے

مگر اسی وقت ان جزائر کی ملکیت کا مسئلہ کیوں پیدا ہوا اور کیوں اریٹریا نے ان بے آب و گیاہ جزائر کو فوجی طاقت سے حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی؟ بعض عرب مبصرین کا خیال ہے کہ یہ ایک اسرائیلی سازش ہے جس کے ذریعہ وہ پورے بحر احمر پر اپنا کنٹرول چاہتا ہے۔ واضح رہے کہ اریٹریا سے اسرائیل کے بڑے گہرے تعلقات ہیں اور اس دو طرفہ دوستی کو امریکی سرپرستی حاصل ہے۔ اس لئے عرب مبصرین کے تبصرے کو محض یہود دشمنی کہہ کر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

بعض دوسرے اسباب بھی بہر حال سامنے رہنے چاہئیں۔ یہ سچ ہے کہ ان جزائر پر تجارت کرنے بھر کے لئے تیل نہیں ہے۔ پھر اریٹریا کے پاس خود ہی ایسا بہت سا علاقہ ہے جہاں تیل کی تلاش نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے تیل کی خاطر وہ ان جزائر پر قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کرسکتا۔ ہوسکتا ہے اریٹریا کو اندیشہ ہو کہ یہ جزائر اس کے خلاف اسلام پسند ویسے ہی استعمال کرسکتے ہیں جیسے اس نے انہیں ایتھوپیا کے خلاف استعمال کیا تھا۔ لیکن اریٹریا کے ظالم سیکولر عناصر سے خفا اسلام پسند سوڈان کا رخ کرتے ہیں، اس لئے یہ بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ ایک سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ اس طرح اریٹریا اپنی بھاری بھرکم فوج کے لئے نئے روزگار تلاش کر رہا ہے۔ لیکن اریٹریا تو اپنی فوج کو کم کرنے میں لگا ہوا ہے۔ پہلے ہی کتنے مجاہدین

باقی صفحہ ۱۲ پر

جنرل کرامت اور پاکستانی سیاسی قیادت سنگین بحران سے دوچار

جنرل ضیاء کے اسلامائزیشن سے فوج کو دور لے جانے کی کوشش

پاکستان اپنی تخلیق کے فوراً بعد ہی سے کسی نہ کسی مسئلے سے دوچار رہا ہے۔ صرف فوج ایک ایسا ادارہ تھی جو کسی حد تک منظم انداز میں چلتا رہا ہے۔ لیکن ضیاء الحق کے بعد اب فوج بھی تشخص کے بحران سے دوچار نظر آتی ہے۔ ضیاء الحق نے اسے اسلامی بنیادوں پر منظم کرنے کی کوشش کی تھی مگر اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بے نظیر بھٹو اسے پھر پرانے ڈگر پر لے جانا چاہتی ہیں۔ یہ کام ان کے اور فوج کے اندر جدیدیت کے علمبردار جنرلوں کی مدد سے ہو رہا ہے۔ بہانہ یہ ہے کہ فوج کو سیاست سے الگ رہ کر اپنی پیشہ ورانہ فنی مہارت پر توجہ کرنی چاہئے اور اسی کے ساتھ جدید اسلحوں کی نہ صرف حصولیابی ضروری ہے بلکہ ان کے استعمال میں مہارت بھی حاصل ہونی چاہئے۔ بے نظیر اور ان کے ہمنوا فوجی جنرل اپنی اس پالیسی سے دو مقاصد ایک ساتھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اول ضیاء الحق کے اسلامائزیشن سے پاکستانی فوج کو دور لے جانا اور دوم، اسی کو بنیاد بنا کر، امریکہ کی قربت حاصل کرنا۔ سردست ان عناصر کو اپنے دونوں ہی مقاصد میں کامیابی ملتی ہوئی نظر آتی ہے۔ کئی سینیئر افسروں کو ملک میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کی "سازش" کے الزام میں گرفتار کر کے ان کے کورٹ مارشل کے لئے فوجی عدالت میں مقدمہ چل رہا ہے۔ ظاہر ہے یہ اقدام فوج کو آئندہ چند سالوں میں اسلام پسند جنرلوں کے ہاتھ میں جانے سے روکنے کے لئے کیا گیا تھا۔

اس اقدام کو بے نظیر، ان کے ہمنوا فوجی جنرلوں اور دوسرے مغرب نواز عناصر نے خوب خوب اچھال کر بیان کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ بے نظیر اسلامی بنیاد پرستی کے خلاف ہیں اور ایک ایسی معتدل لیڈر ہیں جن پر امریکہ بھروسہ کر سکتا ہے۔ خود امریکہ میں اس بات کو سراہا گیا اور نتیجتاً پاکستان کو فوجی امداد دوبارہ ملنے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔

یوں تو جنرل جہاں گیر کرامت سینیئر ہونے کی وجہ سے فوج کے سربراہ بنائے گئے ہیں لیکن اس کے علاوہ جو چیز اہم ہے وہ یہ کہ وہ فوج کو مغربی انداز پر مرتب کرنے کے حق میں ہیں۔ یہ کہنا

جنرل کرامت (درمیان میں) وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر اور سابق سربراہ جنرل وحید کے ساتھ

مشکل ہے کہ وہ کٹر قسم کے جدیدیت پسند ہیں یا مصلحتاً اسے پالیسی کے طور پر اختیار کئے ہوئے ہیں لیکن اتنا طے ہے کہ وہ فوج میں بڑھتے ہوئے اسلامی رجحانات کی حوصلہ افزائی نہیں کریں گے۔ ایک بات بہرحال اہم ہے کہ پاکستان کی حکمراں پارٹی کے علاوہ اصل اپوزیشن لیڈر نواز شریف نے بھی ان کی تقرری کا استقبال کیا ہے۔ نواز شریف کا کہنا ہے کہ جنرل عبدالوحید کا اپنی مدت میں توسیع کی پیشکش کو قبول نہ کرنا مناسب تھا۔ اسی طرح سینیارٹی کی بنیاد پر جنرل کرامت کی تقرری بھی ایک اچھا قدم ہے۔

سینیارٹی کی بنیاد پر جنرل کرامت کے چیف آف آرمی اسٹاف بننے کی وجہ سے اس بار فوج کے اندر اس قسم کی بے چینی دیکھنے کو نہیں ملی جو اس سے پہلے ایسے مواقع پر نظر آتی تھی۔ جنرل مرزا اسلم بیگ کے بعد جب نئے فوجی سربراہ کے انتخاب کا مسئلہ درپیش ہوا تو آصف نواز جنجوعہ اور جنرل حمید گل کے درمیان کافی تناؤ سا رہا تھا۔ اسی طرح جنجوعہ کے اچانک انتقال کے بعد عبدالوحید کاکڑ کو فوج کا سربراہ بنایا گیا جب کہ ان سے سینیئر آٹھ جنرل موجود تھے۔ ان میں سے اکثر نے احتجاجاً استعفیٰ دے دیا۔ مگر اس بار بے نظیر اور صدر لغاری نے سینیارٹی کے اصول پر عمل اس لئے نہیں کیا ہے کہ وہ واقعی بڑے اصول پسند لوگ ہیں بلکہ جنرل کرامت مزاجاً ایسے شخص ہیں جن سے ان کی آسانی سے نبھ

باقی صـ ۱۴ پر

عمران اور بے نظیر سیاسی میدان میں آمنے سامنے

عمران خان سے نفرت یا محبت کسی کا ذاتی فعل ہو سکتا ہے، لیکن انہیں نظر انداز کرنا ہر کسی کے لئے مشکل ہے۔ وہ جہاں کرکٹ کے میدان میں بلند قامت تو نظر آتے ہی تھے، سماج کے اعلیٰ طبقہ میں بھی، خصوصاً مردانہ وجاہت کی دلدادہ خواتین میں کافی مقبول تھے۔ مگر عمران کی غالباً سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انتہائی ذہین ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ایک اچھی امیج کس طرح بنائی جاتی اور اسے کس طرح برقرار رکھا جاتا ہے۔ اپنی اسی خوبی کی وجہ سے وہ ہمیشہ اخبارات کی سرخیوں میں رہتے ہیں۔

کرکٹ کو خیرباد کہنے کے بعد انہوں نے اپنی ماں شوکت خانم کی یاد میں لاہور میں ایک کینسر ہسپتال قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کے لئے وہ کاسہ گدائی لے کر نہ صرف پاکستان میں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی گھومتے نظر آئے۔ کرکٹ کے شہنشاہ کا ہر جگہ والہانہ خیر مقدم ہوا اور لوگوں نے دل کھول کر ان کی مدد کی۔

پاکستان میں جماعت اسلامی کی ایک ذیلی تنظیم پاسبان ہے جو سماجی کاموں میں مصروف رہتی ہے۔ اس تنظیم نے پاکستان کے اکثر شہروں میں عمران کے ہسپتال کے لئے فنڈ جمع کرنے کے لئے کانفرنسیں کیں۔ ہر جگہ عوام کی زبردست بھیڑ نے عمران کا پرجوش استقبال کیا۔

ادھر عمران نے بھی اپنی مغرب پسندی کو ترک کر کے اسلام اور اسلامی اقدار کا نام لینا شروع کر دیا۔ نوجوان بالخصوص بڑی دلچسپی سے ان کی تقریر سنتے۔ دراصل سیاستدانوں سے مایوس پاکستانی عوام ایک کامیاب شخص کے کار خیر سے کافی خوش تھے۔ اکثر ان کے جلسوں میں لوگ جوش سے انہیں پاکستان کے اگلے وزیراعظم کے نام سے پکارتے اور نعرہ لگاتے۔

بے نظیر: میں مقابلے کے لئے تیار ہوں

چونکہ عمران کی فنڈ مہم میں جماعت اسلامی کے علاوہ جنرل حمید گل جیسے لوگ بھی شامل تھے اس لئے بے نظیر اور دوسرے پاکستانی سیاستدانوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ شخص سیاست میں نہ کود پڑے۔ بے نظیر سرکار نے اس کے بعد عمران کے لئے مسائل پیدا کر دئے۔

پھر اچانک عمران نے برطانیہ کے ساتویں امیر آدمی، گولڈ اسمتھ کی صاحبزادی جمیمہ (نیا نام حائقہ خان) سے بڑے ڈرامائی انداز میں شادی کر لی۔ بے نظیر کے حامیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر عمران کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا۔ اس شادی کو بالعموم ان کی سیاسی موت سے تعبیر کیا گیا۔ ان باتوں کے جواب میں عمران ہمیشہ یہی کہتے کہ ان کا سیاست میں داخل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

لیکن ۲۵ جنوری کو بی بی سی کی ہندی سروس کو ایک انٹرویو کے دوران انہوں نے اعتراف کیا کہ بے نظیر سرکار کی معاندانہ سرگرمیوں اور پالیسی سے وہ تنگ آچکے ہیں۔ نیز وہ "اچھے انسانوں" کی ایک ٹیم بنانے میں مصروف ہیں اور اس کے بعد سیاسی اکھاڑے میں کود پڑیں گے۔ عمران خان نے بے نظیر پر الزام لگایا کہ وہ انہیں مستقلاً ہراساں کر رہی ہیں۔ دراصل بے نظیر نے عمران کے ہسپتال کا ٹی وی پر اشتہار بند کر دیا ہے جس کی وجہ سے عمران کے مطابق فنڈ جمع کرنے میں کافی دشواری ہو رہی ہے۔ بقول عمران کے اس وقت صرف زکوٰۃ کے پیسوں سے وہ ہسپتال کو چلا رہے ہیں۔ انہیں ملک کے کسی اسٹیڈیم میں پروگرام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ جمیمہ کے بارے میں انہوں نے کہا کہ اس نے انگوٹھی کا ڈیزائن بنا کر اور اس کے مطابق انگوٹھیاں بنوا کر ہسپتال کے لئے فروخت کیں جس سے تیس ہزار ڈالر کی رقم حاصل ہوئی۔

انٹرویو کے دوران عمران خان نے ملک کے سیاسی نظام سے اپنی بددلی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ صحیح قسم کے آدمیوں کی تلاش میں ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ اس امر پر بھی توجہ دے رہے ہیں

عمران اور جمیمہ: سیاست میں آنے کی تیاری

کہ ایک ایسا معاشی و سیاسی پروگرام ترتیب دیا جائے جس پر عمل کرنا ممکن ہو۔ جیسے ہی یہ دونوں کام پورے ہوں گے وہ اپنی سیاسی پارٹی بنانے کا اعلان کر دیں گے۔

اس اعلان سے آئندہ دنوں میں پاکستان میں کافی سیاسی چہ می گوئیاں ہوں گی۔ بہت سے لوگ مخالفت اور دوسرے حمایت کریں گے۔ سوال اٹھتا ہے کہ کیا عمران سیاسی پچ پر بھی کامیاب گیند بازی کر سکیں گے۔ یہ سچ ہے کہ سیاست کے لئے کسی خاص صلاحیت کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اسی کے ساتھ یہ دنیا کا دشوار ترین کام بھی ہے۔ پھر عمران کو یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ

بہت مشکل ہے دنیا کا سنورنا
تری زلفوں کا پیچ و خم نہیں ہے

ہمیں کرسئ اقتدار کی دوڑ سے باہر نکلنے کا تجربہ کرنا چاہئے

مسلمان باسکٹ بال یا فٹبال بننے کے بجائے کھلاڑی بننے کی کوشش کریں

تحریر: محمد طالب منصوری
تلسی پور گونڈہ

تقریباً نصف صدی سے ہندوستانی مسلمان تلخ تجربات سے گزرتے رہے ہیں۔ ہر تجربہ کی ناکامی کے بعد نیا تجربہ کرتے اور نقصانات اٹھاتے رہے ہیں۔ انتخابی سیاست میں ہمیشہ مسلمانوں کا اہم رول رہا ہے اور ان کی طاقت کو سیاسی پارٹیاں اپنے حق میں استعمال کرتی رہی ہیں اور مسلمان بے دام بکتے رہے ہیں۔ تقریباً تین دہائی تک کانگریس کا جادو چلا جس کے نقصانات ملت اسلامیہ کو فسادات سے لے کر معاشی، صنعتی، لسانی، تعلیمی، اقتصادی استحصال کی صورت میں ملتا رہا ہے، کانگریس پارٹی نے بڑی چالاکی سے مسلم قیادت میں سے بے ضمیر لوگوں کو اپنا آلہ کار بنایا مگر آہستہ آہستہ اس کے اثرات نہ صرف کم ہوتے گئے بلکہ مسلمانوں نے متبادل کی تلاش میں دوسری پارٹیوں اور شخصیات سے اپنے مفادات کو حاصل کرنے کی کوشش شروع کی، اس کا نتیجہ بھی آج تک خاطر خواہ نہیں نکلا الٹے قوم کے مفادات پر ضرب پڑتی گئی اور مزید جانی، مالی، اخلاقی، معاشرتی، معاشی، صنعتی، لسانی نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ البتہ مسلمانوں کا وہ طبقہ جو خود ساختہ لیڈر یا قوم کا ہمدرد اپنے آپ کو جتا کر سرکار یا پارٹی میں اپنا دباؤ بناتا رہا اس نے ذاتی طور پر فائدہ اٹھالیا مگر من حیث القوم ہندوستان میں انتخابی سیاست میں حصہ لے کر اب تک ہمیں نقصانات سے ہی دوچار ہونا پڑا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جمہوری سیاست میں جس تدبر کی ضرورت تھی اس سمت نہ تو سیاسی مسلم رہنماؤں نے اور نہ ہی مذہبی مسلم رہنماؤں نے کسی مثبت اقدام کی نشاندہی کی۔ نتیجہ سامنے ہے کہ ہر الیکشن سے پہلے مسلم دانشوروں کے دماغ میں یہ ہلچل مچتی ہے کہ "اب مسلمان کیا کریں؟

بلاشبہ پچھلے تجربات کو دہراتے رہنا اور مات کھاتے رہنا انتہائی حماقت کی بات ہے مگر اس حماقت سے ہمیں ہمارے خودساختہ سیاسی لیڈر ہٹنے نہیں دینا چاہتے ہیں اس لئے وہ اپنی روٹی ہمارے مفادات کی چتا جلاکر ہی سینک سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں بے لوث مسلم دانشوروں کو ایک نئی سوچ پیدا کرنی ہوگی۔ عوام میں ایک نیا فکر، نیا جذبہ پیدا کرنا ہوگا اور سب سے پہلے موقع پرست مسلم سیاستدانوں کا بائیکاٹ کرنے کے لئے ایک ذہن بنانا پڑے گا تاکہ جب ایک نئی راہ متعین کی جائے تو یہ خودساختہ مفاد پرست مسلم لیڈر اسے سبوتاژ نہ کرسکیں۔ اس کے بعد ہمیں نئی راہ پر اس قوم کو لے کر چلنے کا موقع فراہم ہوسکتا ہے۔

تقسیم کے وقت سے ہی اکثریتی طبقہ دو رخ پہ گامزن تھا ایک سیکولر رخ دوسرا فرقہ پرست رخ مگر اندر سے دونوں طبقوں کا کنٹرول مخصوص اونچی ذات کے لوگوں کے ہاتھوں میں تھا۔ حکمراں طبقہ یعنی کانگریس کی اجارہ داری مسلمانوں اور دلتوں پر تھی۔ غیر حکمراں فرقہ پرستوں کی اجارہ داری پسماندہ ذات (اور سرمایہ دار طبقہ) پر تھی چونکہ مسلمان کھل کر کانگریس کے ساتھ تھا اس لئے کانگریس مرکز اور صوبوں میں حکومت کرتی تھی۔ جب ایمرجنسی کے بعد ۱۹۷۷ء سے مسلمانوں نے کانگریس سے اپنا ناتا توڑنا شروع کردیا تو ایک تیسری طاقت ان دونوں طاقتوں کے درمیان سے ابھر کر سامنے آگئی اور دھیرے دھیرے اکثریتی طبقے کا وہ حصہ جو دونوں کے درمیان بٹا ہوا تھا اپنے وجود کو الگ قائم کرنے لگا اور اب حالت یہ ہے کہ اکثریتی طبقہ تین رخ پر گامزن ہوگیا ہے۔ اس بات کو بھی نظر میں رکھتے چلیں کہ یہ بیچ کا طبقہ جو دونوں سے ٹوٹ کر الگ ہوا ہے وہ ان اونچی ذات کے لوگوں کی زیادتیوں سے تنگ آکر اپنا حق سلب کئے جانے کی مخالفت میں وجود میں آیا ہے اس طرح اکثریتی طبقہ میں آپس میں ٹکراؤ اور ایک دوسرے پر دباؤ بنانے کی جنگ شروع ہوچکی ہے اس کے علاوہ بھی ایک اہم عنصر یہ ہے کہ دبے کچلے طبقے کے منہ کو بھی حکمرانی کا تھوڑا ذائقہ مل چکا ہے۔ اس لئے اب کوئی بھی اپنے پرانے خول میں واپس جانے کو تیار نہیں ہے۔
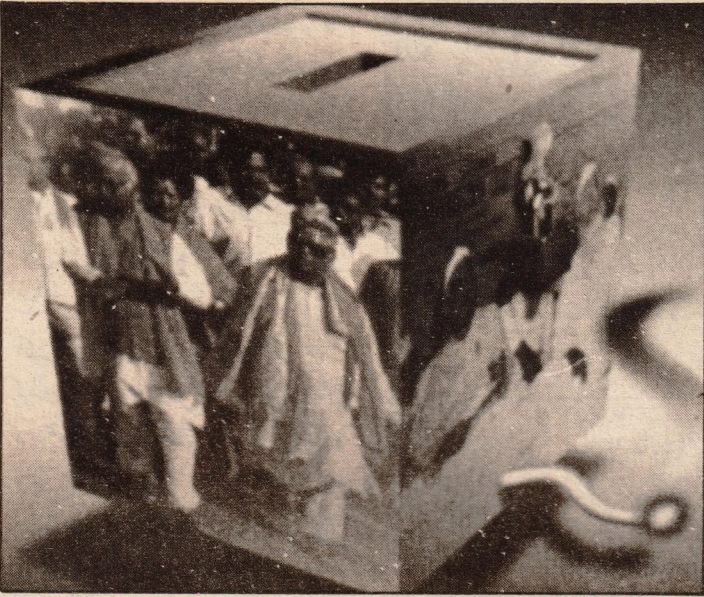
مندرجہ بالا باتوں کے تناظر میں اب ہم آتے ہیں "تو پھر اب آخر مسلمان کیا کریں" سیکولر جمہوریہ ہندوستان میں ہمیں اپنے حق رائے دہی سے دستبردار نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کا بھرپور اور انتہائی سوجھ بوجھ اور تدبرانہ انداز میں استعمال کرنا چاہئے

اس سلسلے میں پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ جو بھی مسلم لیڈر انتخابات میں حصہ لے کر کرسی پانا چاہتا ہے اس کا بائیکاٹ کرکے اسے مفلوج کردیا جائے تاکہ سمت سفر درست ہوسکے۔ جب تک مسلم لیڈر کرسی کی سیاست سے الگ نہیں ہوتے یا انہیں الگ نہیں کیا جاتا تب تک مثبت رویہ اپنانا مشکل ہے۔ اگر مسلمان حصول کرسی کی مقابلہ آرائی سے اپنے آپ کو الگ کرلیں تو غیروں کے جسم سے اتحاد کی روح نکل جائے گی اور ان کے پاس کوئی بھی ایسا نکتہ نہیں ہے جس پر وہ اکثریتی طبقہ کو متحد کرسکیں اور اس بنیاد پر حکومت میں قائم رہ سکیں۔ دوسری جانب تیسرا طبقہ کرسیوں تک پہنچنے کی جنگ کو اور زیادہ تیز کردے گا جب مسلم قوم بیچ میں انہیں نظر نہیں آئے گی۔ انہیں اپنا حق اب معلوم ہوچکا ہے وہ اپنا حق حاصل کرنے کی خاطر دھرم کے کچے دھاگے بھی توڑ توڑ کر پھینک رہے ہیں وہ سیاست کی اس جنگ میں جس میں ایک طبقہ دھرم کو کیش کرانے کی کوشش میں لگا ہے تو نیا ابھرنے والا طبقہ دھرم کی دھجیاں اڑائے

باقی ص ۱۶ پر

یہ فیصلہ مسلمانوں کو کرنا ہے کہ وہ کس کے پھندے میں پھنسنا چاہتے ہیں

تحریر: محمد نعمان ارشد کنبہار

ہندوستان کی جماعتیں پارلیامنٹ کے آئندہ الیکشن کی تیاری میں لگی ہوئی ہیں۔ سب جماعتیں یہی سوچ رہی ہیں کہ کون سی حکمت عملی اپنائی جائے جس سے عوام کو اپنی طرف کھینچا جاسکے اور مرکز میں اقتدار کی کرسی پر باسانی قبضہ کیا جاسکے۔ وہ یہ بھی بخوبی سمجھتی ہیں کہ مسلمانوں کے ووٹ کے بغیر برسر اقتدار آنا تقریباً ناممکن سا ہے۔ اس لئے ہر ایک سیاسی جماعت نام نہاد رہنماؤں کو اپنی لابی میں جگہ دینے لگی ہیں۔

وہ مسلمان جو مسلم رہنما ہونے کے دعویدار ہیں اجمالی طور پر ان کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم میں وہ پرانے رہنما آتے ہیں جن پر کبھی مسلمانوں کو بڑا اعتماد تھا لیکن اب وہ ان سے نہایت ہی ناامید ہوچلے ہیں کیونکہ ایسے مسلم رہنماؤں نے ان کو بھنا کر صرف اپنی سیاسی دکانیں چمکائیں اور مسلمانوں کی فلاح سے متعلق کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ دوسری قسم میں وہ مسلم رہنما آتے ہیں جو مسلمانوں میں کبھی بھی مقبول نہیں ہوئے اس قسم میں کچھ پرانے کھلاڑی اور کچھ نوسکھیا ہیں۔ مسلمانوں کا حقیقی رہنما کون ہے اس کا پتہ خود ان کو بھی نہیں ہے۔

الغرض ہر ایک سیاسی جماعت مسلمانوں کو اپنے پھندے میں پھانسنے کے لئے ضروری کیل کانٹے سے لیس ہوکر میدان میں اتری ہے۔ اب صرف مسلمانوں کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کس کے پھندے میں پھنسنا پسند کریں گے۔

یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ کیا ممکن ہے کہ ووٹ ڈالنے سے متعلق مسلمانوں کا اتفاق کسی ایک جماعت پر ہوگا؟ بظاہر تو ایسا نظر نہیں آرہا ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیں کہ مسلمان کسی ایک سیاسی جماعت کی طرف جھک جائیں گے یعنی متحد ہوکر ایک طرف ووٹ ڈالیں گے تو کیا وہ سیاسی جماعت برسر اقتدار آنے پر ان کے مسائل کو حل کردے گی؟ شاید نہیں۔ خواہ وہ کسی بھی سیاسی جماعت سے وعدہ لیں اور ٹھونک بجاکر ووٹ دیں ان کے مسائل حل نہیں ہونگے۔ اب تک کا تجربہ تو یہی بتارہا ہے وعدے تو پہلے بھی کئے گئے تھے لیکن ان کا کیا ہوا؟ مسلمان سیاسی جماعتوں کو بتائیں کہ اب وہ وعدوں پر بہلنے والے نہیں ہیں وہ ٹھوس بنیاد دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور چونکہ ٹھوس بنیاد کوئی نہیں فراہم کررہا ہے اس لئے مسلمانوں کو سیکولر امیدواروں کو ووٹ دینا چاہئے۔ جب سیاسی جماعتوں کو معلوم ہوجائے گا کہ مسلمان وعدہ اور یقین دہانی پر ووٹ دینے والے نہیں ہیں وہ صرف سیکولر امیدوار کے حق میں ہی ووٹ ڈالنے والے ہیں تو مسلمانوں کے خلاف ہندوتو کے جذبے کو ابھارنے کی جو کوشش کی جارہی ہے اس میں بھی کمی آئے گی۔ سیکولر مزاج والے ممبران پارلیمنٹ درحقیقت اچھی، صاف ستھری اور دیرپا حکومت دے سکتے ہیں۔ اگر سارے مسلمان اس ڈگر پر چل پڑیں تو پارلیامنٹ کے ماحول میں بھی رفتہ رفتہ سدھار کی امید کی جاسکتی ہے۔ اس طرح کی ووٹنگ سے سیکولر حضرات کی ہمت افزائی بھی ہوگی اور وہ سماج و حکومت میں کھل کر کام کریں گے۔ ہندو مسلمان کے درمیان نفرت کی جو کھائی بڑھ رہی ہے وہ بھی بتدریج کم ہوتی جائے گی۔ ابھی جب مسلمان اپنے حقوق کو ڈائریکٹ مانگتے ہیں تو ہزاروں کے کان کھڑے ہوجاتے ہیں، مفاد پرست عناصر اس صورت حال سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، وہ خاص مقصد کے تحت مسلمانوں کے حقوق پر انگلیاں اٹھاتے ہیں تاکہ وہ طیش میں آجائیں اور بکنا شروع کردیں۔ مفاد پرست عناصر پھر پلٹ کر عام ہندوؤں کی توجہ مسلمانوں کی چیخ و پکار کی طرف دلاکر ان کو طیش دلاتے ہیں اور اپنے مسلم مخالف خیموں میں ان کو اکٹھا کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔

میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ مسلمان اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کریں یا ان کے تحفظ کے لئے آواز نہ اٹھائیں، میں تو یہاں صرف یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ کچھ پوشیدہ مقاصد کے تحت ان کو لبھایا جارہا ہے اور ان کے طریقہ کار کا نتیجہ الٹا ہوتا ہے یعنی فائدہ مسلم مخالف جماعتوں کو ہوجاتا ہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ الیکشن کے موقع پر وہ کسی سیاسی جماعت کی حمایت نہ کرکے صرف سیکولر امیدواروں کو اپنا ووٹ دیں۔ اس میں بھارت اور اس کے سارے شہریوں کی بھلائی مخفی ہے۔ اس کا خاطر خواہ اثر ہندو بھائیوں پر بھی پڑے گا اور امید کی جاتی ہے کہ جو ٹھٹکے ہوئے ہیں وہ دھیرے دھیرے راہ راست پر آجائیں گے۔ صبح کا بھولا شام کو آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے ہیں۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیں کہ مسلمان کسی ایک سیاسی جماعت کی طرف جھک جائیں گے یعنی متحد ہوکر ایک طرف ووٹ ڈالیں گے تو کیا وہ سیاسی جماعت برسر اقتدار آنے پر ان کے مسائل کو حل کردے گی؟ شاید نہیں۔ خواہ وہ کسی بھی سیاسی جماعت سے وعدہ لیں اور ٹھونک بجاکر ووٹ دیں

آسام کے مسلم قائدین کی سیاسی ناعاقبت اندیشی کے سبب

الیکشن کا موقع آسام کے مسلمانوں کے لیے آزمائش کی گھڑی

آسام میں اس بار پھر اسمبلی و پارلیمانی الیکشن کے قریب آتے ہی مسلمانوں کو لبھانے کی کوششیں شروع ہوگئی ہیں۔ تمام پارٹیوں پر یہ بات واضح ہے کہ ماضی میں بھی مسلمانوں کا ووٹ اسمبلی کے لئے فیصلہ کن ثابت ہوتا رہا ہے۔ اس لئے اس بار پھر ان کے ذہنوں میں فریب کے بیمار کیڑے کلبلانے لگے ہیں اور طرح طرح سے مسلمانوں کے پاکیزہ جسم سے گوشت کے ٹکڑے حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔

یہاں یہ بات اہم ہے کہ آسام کے مسلمان روایتی طور پر کانگریس کے حمایتی رہے ہیں اور اس سے کانگریس ہمیشہ اپنا الو سیدھا کرتی رہی ہے۔ اس بار مسلمانوں کا کانگریس سے رشتہ تقریبا ٹوٹ سا گیا ہے۔ قومی سطح پر نیشنل فرنٹ اور بائیں بازو کی پارٹیوں کے اتحاد جیسی حکمت عملی اس بار آسام گن پریشد اور بائیں بازو کی دوسری پارٹیاں سیاسی سطح پر کر رہی ہیں۔ بی جے پی اس مرتبہ پھر تنہا ہوگئی ہے کیونکہ اس کی آسام گن پریشد کے ساتھ اتحاد کی ساری کوششیں بیکار ہوچکی ہیں اس لئے اس نے اکیلے ہی انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آسام گن پریشد نے پانچ پارٹیوں کے ساتھ مل کر انتخابی میدان میں کودنے کی تیاری کی ہے۔ اس نے سی پی آئی، سی پی ایم، بوڈولینڈ پیوپلس پارٹی اور خود مختار ریاستی کمیٹی کے ساتھ مل کر متحدہ محاذ بنایا ہے۔ اس متحدہ محاذ کے علاوہ جنتا دل نے بھی دس دوسری چھوٹی پارٹیوں کے ساتھ

وزیر اعلیٰ ہتیشور سائکیا
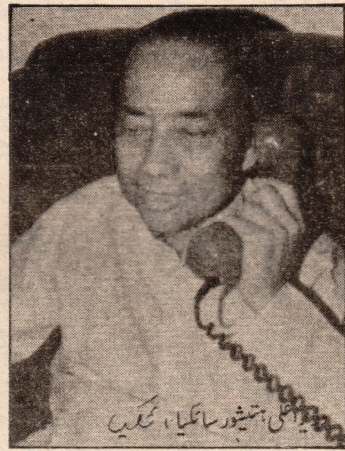
مل کر اتحاد کیا ہے۔ اس میں سی پی آئی ایم ایل، ایس یو سی آئی، آر ایس پی، آر سی پی آئی، کانگریس ایس وغیرہ شامل ہیں۔

ان دونوں متحدہ محاذ کے علاوہ دو پارٹیاں اور بھی ہیں جو مسلم ووٹ کی مضبوط دعویدار ہیں۔ پہلی یونائیٹڈ ماتاریٹی فرنٹ ہے جس کی بنیاد ۱۹۸۳ء میں پڑی ہے۔ دوسری پارٹی ریاست کے ایک سابق وزیر کی یونائیٹڈ پیوپلس پارٹی آف آسام ہے۔ لیکن ان دونوں کا مسلمانوں میں کوئی مضبوط رول نہ ہونے کی وجہ سے کوئی خاص اثر نہیں ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں اپنی امیج بنانے کا دعوی کرنے والے حاجی عبدالروف نے اپنے حمایتیوں کے ساتھ آسام گن پریشد پارٹی جوائن کرلی ہے۔ واضح رہے کہ حاجی صاحب یونائیٹڈ ماتاریٹی فرنٹ کے بانیوں میں سے ہیں۔

یہ بات بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ مسلمان ہی وہ طوفانی ہوا ہیں جو انتخاب کی کشتی کو جہاں چاہیں موڑ لے جائیں اور یہ ہوا گذشتہ انتخابات میں بھی چلتی رہی ہے۔ ان کا اثر ۱۹۷۹ء کے بیرونی دراندازی مخالف تحریک سے بھی پہلے سے ہے۔ اور اس اثر کو کانگریس اپنے حق میں استعمال کرتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کانگریس پر پڑوسی ملک بنگلہ دیش سے بڑی تعداد میں آئے دراندازوں کو شہریت بحال کرنے کا الزام بھی عائد ہوتا رہا ہے۔ اور اسی خوف سے آسام کے غیر مسلموں نے جارحانہ رخ اختیار کرلیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ نیلی کا فساد رونما ہوا جس میں ہزاروں معصوم اور بے گناہ مسلمان قتل کردئے گئے۔ اس قتل عام میں تمام غیر مسلم پارٹیاں کسی نہ کسی طور پر ملوث تھیں۔ اسی طرح ماضی میں الفا اور بوڈولینڈ جیسی دہشت گرد تنظیمیں بھی مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھاتی رہی ہیں۔ کوکرا جھار، بونگئی گاؤں، باڑ پیٹا اور نلباڑی اضلاع میں بوڈو دہشت گردوں نے گذشتہ چار سالوں میں مسلمانوں پر بے شمار حملے کئے ہیں جن کا زخم اب بھی ان بے گناہ مسلمانوں کے جسموں اور دلوں میں باقی ہے۔

> یہ بات بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ مسلمان ہی وہ طوفانی ہوا ہیں جو انتخاب کی کشتی کو جہاں چاہیں موڑ لے جائیں اور یہ ہوا گذشتہ انتخابات میں بھی چلتی رہی ہے۔ ان کا اثر ۱۹۷۹ء کے بیرونی دراندازی مخالف تحریک سے بھی پہلے سے ہے۔ اور اس اثر کو کانگریس اپنے حق میں استعمال کرتی رہی ہے۔

ریاستی حکومت ان دہشت گردوں کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکی ہے لیکن اس نے مسلمانوں کو لبھانے کے لئے حال ہی میں ریاستی الیکشن کمیشن کو مشورہ دیا ہے کہ وہ ان ووٹر لسٹ پر نئے سرے سے غور کرے جن سے مسلمانوں کے نام نکال دئے گئے ہیں۔ چنانچہ اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے ریاستی الیکشن کمیشن نے اس پر نئے سرے سے کام کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ حکومت کے اس اقدام کے خلاف آل آسام اسٹوڈنٹس یونین نے تحریک شروع کر رکھا ہے۔ جس کا پورا فائدہ بی جے پی اٹھا رہی ہے کیونکہ اس نے دراندازی کو اپنا انتخابی اشو بنایا ہوا ہے۔

انتخاب جیسے جیسے قریب آتا جارہا ہے مسلمانوں کے ارد گرد سیاسی پارٹیوں کی گھیرا بندی تنگ ہوتی جارہی ہے۔ تمام پارٹیاں ان کو اپنے حصار میں لینے کے لئے زبردست مقابلہ آرائی پر تلی ہوئی ہیں۔ اب یہ فیصلہ خود مسلمان ہی کرسکتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو نیلی قتل عام کے قاتلوں اور اس پر خاموش رہنے والوں کے ہاتھوں سونپ دیتے ہیں یا پھر کوئی ایسی حکمت عملی اپناتے ہیں جس سے وہ ایک نئی راہ کھول لیں گے جو انہیں روشن مستقبل کی ضمانت دے سکے گا۔؟

"چھوٹا ایران" عرب و ایرانی طلبہ کی غنڈہ گردی کی آماجگاہ بن گیا ہے

بنگلور کی خوبصورتی اس کے پارکوں کی وجہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ اسے گارڈن سٹی کے نام سے پکارتے اور بعضے اسے "چھوٹا ایران" کہتے ہیں۔ تعلیمی میدان میں بنگلور اپنے پرائیویٹ کالجوں اور اداروں کے لئے مشہور ہے۔ یہ شہرت ملک سے باہر دوسرے ممالک بالخصوص مغربی ایشیا میں بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ایران اور بعض عرب ممالک کے سینکڑوں طلبہ یہاں اعلی تعلیم کی غرض سے ہر سال آتے ہیں۔ مگر اب بعض ایرانی اور عرب مقامی غنڈوں کی مدد سے غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہوگئے ہیں جس سے نہ صرف شہر کا ماحول مکدر ہورہا ہے بلکہ خود ان ممالک کے بارے میں یا کم از کم وہاں کے طلبہ کے بارے میں لوگوں کی رائیں بھی تبدیل ہورہی ہیں۔ شہر کے بازاروں میں پہلے ان ایرانیوں اور عربوں کو اس لئے پسند کیا جاتا تھا کہ وہ بڑے "خرچیلے" واقع ہوئے ہیں جس کی وجہ سے تاجروں کے مزے تھے۔

آج صورت حال یہ ہے کہ ان ایرانی و عرب طلبہ میں سے اکثر کے ویزا ختم ہوگئے ہیں مگر وہ پھر بھی وہاں رہ رہے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جن کے پاس صحیح سفری کاغذات ہی نہیں ہیں۔ پولیس کو اس پورے معاملے کا علم ہے۔ سینیئر افسران اس صورت حال کو ختم کرنے کی بات کرتے ہیں لیکن جونیئر پولیس افسروں کے بارے میں شبہ ہے کہ وہ اس معاملے میں زیادہ سنجیدہ نہیں ہیں کیونکہ بعض مقامی افراد پولیس اور غیر قانونی ایرانی و عرب طلبہ کے مابین "مصالحت" کا کام کرتے ہیں جو ظاہر ہے رشوت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ سچ یہ ہے کہ پولیس کو یہ اندازہ ہی نہیں ہے کہ شہر میں کتنے غیر ملکی رہتے ہیں اور ان میں سے کتنے قانونی یا غیر قانونی طلبہ ہیں۔ ایسی صورت میں اگر وہ کوئی اقدام کریں بھی تو انہیں کیا کامیابی ملے گی۔

بعض ایرانی اور عرب طلبہ نے مقامی بدمعاشوں کی مدد سے اپنے ہم وطن نئے طلبہ سے دھونس دھمکی سے روپیہ اینٹھنے کا کاروبار بھی شروع کردیا ہے۔ شہر کی پولیس نے حال ہی میں دو یمنی اور ایک ایرانی شہری کو اسی جرم میں گرفتار کیا ہے۔ یہ لوگ بعض ایرانی طلبہ کو دھمکا کر پیسہ ہتھیانے کے چکر میں تھے۔ تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ وہ تینوں ایک بڑے گروہ کے کل پرزے تھے جو اس کام میں مصروف ہے۔ شہر کے پرائیویٹ میڈیکل کالجوں میں داخلے کے لئے ایرانی اور عرب طلبہ ہر سال بڑی تعداد میں بھاری رقوم کے ساتھ یہاں آتے ہیں۔ ان کے سینیئر ہم وطن ان سے مل کر کسی نہ کسی کالج میں داخلہ دلانے کے وعدے پر بھاری رقموں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان کی نیتوں پر کسی قسم کا شبہ

کیا دیوگوڑا اس غنڈہ گردی کو روک پائیں گے؟

کئے بغیر وہ پیسہ دے دیتے ہیں۔ بعد میں جب داخلہ نہیں ملتا اور رقم کا مطالبہ کرتے ہیں تو انہیں مختلف طریقوں سے ڈرایا دھمکایا جاتا ہے تاکہ وہ خاموش رہیں۔ پولیس کے مطابق ایسے معاملات میں دس لاکھ کی رقم وصول کی جاتی ہے۔ بعض پولیس اسٹیشنوں پر اس قسم کی شکایتیں اب عام بات ہوتی جارہی ہیں۔ تفتیش سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ پیسے اینٹھنے کے اس کاروبار میں صرف ایک ہی گروہ سرگرم ہے۔

بعض ایرانی اور عرب طلبہ کے گھروں پر چھاپہ مار کر پولیس نے بعض یونیورسٹیوں اور کالجوں کی جعلی ڈگریوں کے ساتھ بعض غیر ملکی سفارت خانوں کی مہریں بھی دریافت کی ہیں۔ ان گرفتار طلبہ سے تفتیش کے بعد کیا ملا، پولیس اسے ابھی بتانے سے انکار کررہی ہے۔
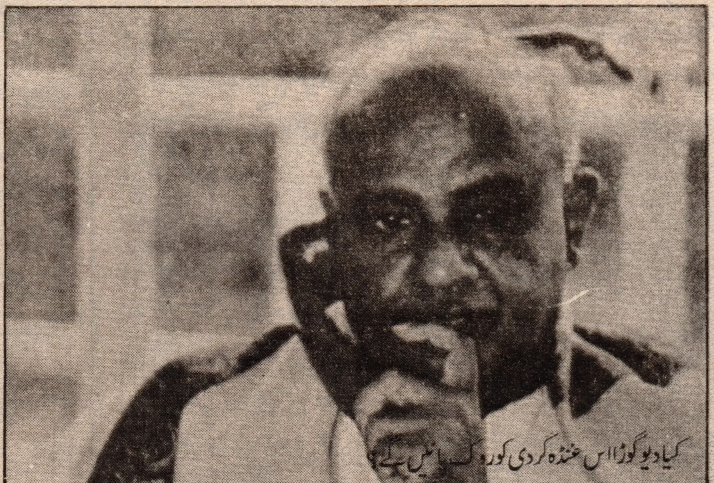
پولیس کو یہ بھی شبہ بلکہ یقین ہے کہ ان طلبہ میں سے بعض نشیات کی تجارت میں بھی مصروف ہیں۔ حال ہی میں پولیس نے یہ کوشش شروع کی ہے کہ بنگلور اور کرناٹک کے دوسرے شہروں میں موجود غیر ملکیوں کی صحیح تعداد معلوم کی جائے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اطلاعات کے مطابق بنگلور سے تیس پاکستانی شہری لاپتہ ہیں۔ اگر یہ معاملہ سامنے نہ آتا تو شاید معصوم ایرانی و عرب طلبہ کو لوٹنے کا کاروبار بھی بغیر کسی دشواری کے جاری رہتا۔ بہرحال اب اس معاملے کے روشنی میں آنے کے بعد پولیس کے سینیئر افسران اس طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ لیکن خود ان کی بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اس ضمن میں کیا کریں۔ ان کے بس میں یہ نہیں ہے کہ غیر قانونی طور سے یا اپنی مدت تعلیم سے زیادہ وقفے تک رکے ہوئے طلبہ کو فورا واپس بھیج سکیں۔ پولیس کا کہنا ہے کہ بعض طلبہ بار بار فیل ہوتے ہیں، کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ فیل ہونے کی تعداد محدود کردی جائے۔ پھر پولیس کی پریشانی یہ بھی ہے کہ پیسے کی مدد سے داخلہ لینے آنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کے بارے میں بادی النظر میں کچھ معلوم کرلینا مشکل ہوتا ہے۔ بدمعاش عناصر انہیں باتوں کا فائدہ اٹھا کر اپنے غیر قانونی کاروبار میں مصروف ہیں۔

جانچ کمیشن ختم کرکے بال ٹھاکرے اور جوشی نے بمبئی فس

جو چپ رہے گی زبان خنجر ل

خون خرابہ میں یقین رکھنے، اپنے حامیوں کو قتل و خون کی مسلسل تلقین کرنے اور بمبئی فساد کے دوران مسلمانوں کا قتل کرکے فخر محسوس کرنے والے بمبئی کے ہٹلر بال ٹھاکرے اور ان کے کمانڈر منوہر جوشی اس بار خون کے دھبوں کو

بمبئی فساد کے دوران پولس مسلمانوں کی تلاشی لے رہی ہے

دیکھکر خوفزدہ ہوگئے ہیں۔ ان پر لرزہ طاری ہوگیا ہے اور وہ اس خوف میں مبتلا ہوگئے ہیں کہ کہیں انہیں خون کے ان دھبوں کی قیمت نہ چکانی پڑے، ان کے ذریعہ بہائے گئے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب نہ دینا پڑے، وقت ان کی کرتوتوں کا محاسبہ نہ شروع کردے اور انہیں بھی اس انجام سے دوچار نہ ہونا پڑے جس انجام تک بمبئی فساد میں مسلمانوں کو پہنچایا گیا تھا۔ ان پر لرزہ اس لئے طاری ہے کہ کہیں خون کے دھبے ان کے لئے پھانسی کا پھندہ نہ بن جائیں۔ کیونکہ خون کے یہ دھبے ان بے قصور اور مظلوم مسلمانوں کے ہیں جنہیں دسمبر ۹۲ اور جنوری ۹۳ کے بدترین مسلم کش فساد بلکہ مسلمانوں کی منظم نسل کشی کے دوران انتہائی بے دردی سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ جن کی جائیدادوں کو نذر آتش کر دیا گیا تھا۔ جن کی زندگی بھر کی پونجی کو آن کی آن میں راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا گیا تھا، جن کے اعتماد کی دیوار کو نفرت و دشمنی کے ہتھیار سے مسمار کر دیا گیا تھا اور جن کو بمبئی سے انخلا پر مجبور کر دیا گیا تھا انہیں بے قصور مسلمانوں کے خون کی چھینٹیں جو ٹھاکرے، جوشی، شیو سینکوں اور پولیس افسروں کے دامن و گریبان کو لہو رنگ اور ان کی آستینوں کو شرابور کر گئی تھیں، اب جب بھیانک شکل میں نمودار ہورہی ہیں اور خون کے وہی دھبے پھانسی کے پھندے میں تبدیل ہوتے جارہے ہیں تو قاتلوں کے گروہ کے لئے ایک ہی چارہ کار رہ گیا تھا، انہوں نے اس انکوائری کمیشن کا گلا دبوچ دیا جو بمبئی فساد کی جانچ کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ اور اس طرح اپنے دامن پر لگے مسلمانوں کے خون سے خوفزدہ بمبئی کے ہٹلر نے ایک بار پھر انصاف کا خون کر دیا۔ گذشتہ دنوں وزیر اعلیٰ منوہر جوشی نے اعلان کیا کہ اس انکوائری کمیشن سے کوئی فائدہ نہیں ہے تین سال ہوگئے اب تک اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا لہٰذا اس کا باقی رکھنا بے سود ہے اور اب اسے تحلیل کیا جاتا ہے۔

ٹھاکرے اور جوشی کے اس اقدام کی ملک بھر میں مذمت ہورہی ہے اور اسے نازی ازم سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ بلاشبہ ٹھاکرے نے اس اقدام سے فاشزم کا بڑی بے باکی سے مظاہرہ کیا ہے اور ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ انہیں انصاف سے نہیں اپنے مفادات سے سروکار ہے۔ ان کے نزدیک عدالت کے احترام نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ دراصل جسٹس شری کرشنا کمیشن اپنی انکوائری تقریباً مکمل کر چکا تھا۔ اس کی مدت میں بس ایک اور توسیع کی ضرورت تھی ایسے لوگوں کے نام سامنے آنے لگے تھے جو بمبئی فساد کے اصل مجرم تھے اور ان میں شیو سینکوں کے ساتھ ساتھ بال ٹھاکرے کا بھی چہرہ صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ انکوائری کمیشن کی رپورٹ عین اس وقت سامنے آتی جب ملک میں عام انتخابات کا دور دورہ ہوتا اور بال ٹھاکرے نہیں چاہتے تھے کہ ایسے فیصلہ کن موقع پر مجرموں کے چہرے بے نقاب ہوں کیونکہ مجرموں کی اکثریت ان کے حواریوں پر مشتمل ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو بلاشبہ شیوسینا کو اس کی قیمت چکانی پڑتی اور پارلیمانی انتخابات میں اسے اسکا خمیازہ بھگتنا پڑتا۔

بال ٹھاکرے نے جانچ کمیشن کو تو ختم کر دیا لیکن کیا وہ مسلمانوں کے ذہنوں پر نقش ہوجانے والے ان مجرموں کے چہروں کو بھی محو کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے جو شیوسینا اور بمبئی کی پولیس سے تعلق رکھتے ہیں، کیا وہ ان بھیانک یادوں کو بھی کھرچ کر پھینک دیں گے جو مظلوموں کی زندگی کا ایک حصہ بن چکی ہیں؟ کیا وہ اپنے دامن پر لگے خون کے دھبوں کو صاف کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے؟ کیا وہ اپنی ان آستینوں کو بھی کاٹ کر پھینک دیں گے جو مسلمانوں کے لہو سے تر بتر ہیں اور اب بھی جن آستینوں سے خون کی بوندیں ٹپک رہی ہیں؟ کیا وہ اپنے دامن پر لگے خون کے قطروں کی زبان قلم کر سکتے ہیں جو چیخ چیخ کر قاتلوں کا نام لے رہی ہے، جو بہ بانگ دہل مسلمانوں کی داستان مظلومت

اس مقتول کا خون ضرور رنگ لائے گا

اور شیو سینکوں اور پولیس کے مظالم کا فسانہ بیان کر رہی ہے۔

انکوائری کمیشن کے چیئرمین شری کرشنا کہتے ہیں کہ میری عدالتی زندگی کے تین قیمتی سال ضائع ہوگئے۔ اس کے ساتھ وقت، صلاحیت، قابلیت اور پیسے کی بھی بربادی ہوئی ہے۔ عوام کا پیسہ گٹر میں چلا گیا ہے۔ اس بربادی اور نقصان سے مجھے زبردست صدمہ پہنچا ہے۔ دراصل مہاراشٹر میں یہ پہلا کمیشن ہے جسے اس

ندازسے ختم کیا گیا ہے۔ ا
چار وکلاء پر مشتمل یہ کمیشن
حصہ بن گیا ہے۔ اس کمیش
۱۸۶۰ گھنٹے کام کیا۔ ۳۰۲ افرا
میں ۱۶۰ پولیس والے بھی تھ
کی انکوائری ہونی تھی جن می
تھی صرف ۹ تھانے رہ گ
افسران کو نوٹس جاری کئے ج
کہا گیا تھا کہ وہ آکر فساد می
کریں۔ ۲۱۱۹ بیان حلفی داخ
ہزاروں صفحات پر مشتمل ا
ابھی مرتب نہیں کیا گیا تھ
والا تھا۔ اور اس پر ایک کرو
تھا۔ لیکن حکومت نے مجرمو
ہی بند کر دیا۔

جوشی کی اس دلیل پر ک
کمیشن کا کوئی نتیجہ برآمد نہی
کرشنا کہتے ہیں کہ ایک جج کی
ہوتی ہے وہ اسی انداز میں ا
بھی وہ اس وقت بمبئی ہائی ک
ہیں۔ وہ اتنا وقت کہاں س
وروز اس میں مصروف رہ

بہار میں ۱۹۶۷ سے جاری ہے ایم سی سی اور پو

بہار میں ماؤ نواز انتہا پسند تنظیم ایم سی سی کی سرگرمیاں ۱۹۶۷ء سے جاری ہیں۔ اس کا پولیس و اونچی ذات والوں سے ٹکراؤ نیا نہیں ہے۔ ایم سی سی اپنے اپنے زیر اثر علاقوں میں ایک طرح سے اپنی حکومت چلانا چاہتی ہے۔ انتخابات کا بائیکاٹ اور سیاستدانوں کے خلاف ان کی سرگرمیاں جاری رہتی ہیں۔ پولیس اور انتہا پسندوں میں ٹکراؤ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ جہاں جسے موقع ملتا ہے اپنے مقابل کو ختم کرنے کی ہی سوچتا ہے۔ ادھر کافی دنوں سے ایم سی سی نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی لیکن گذشتہ دنوں گیا سے ۲۵ کلو میٹر دور ٹیکاری تھانہ پر حملہ کرکے انتہا پسندوں نے جس طرح خوف و دہشت اور بربریت پیدا کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ایم سی سی کے انتہا پسندوں نے ٹیکاری تھانہ پر حملہ کرکے کئی لوگوں کو موت کی نیند سلادی اور اپنے ساتھ چودہ رائفل اور ۲۵ بندوقیں بھی چھین لے گئے۔ گاؤں کے ایک دوکاندار کا کہنا ہے کہ انتہا پسندوں نے صبح ہی ہم لوگوں کو وارننگ دے دی تھی کہ ہم اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند رکھیں کیونکہ وہ پولیس کو اپنی طاقت دکھانا چاہتے ہیں۔ عینی گواہوں کے مطابق تقریباً ۳۰۰ انتہا پسندوں نے جن میں زیادہ تر کی عمر ۲۰ سے کم تھی، تھانے پر مختلف سمتوں سے حملہ کیا انہوں نے پہلے ایک اسسٹنٹ سب انسپکٹر پرشورام سنگھ کو موت کی نیند سلادی۔ اس کے بعد تھانے پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ ایک پولیس والے کو اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ اس نے خود کو نچلی ذات کا بتایا۔ اندر جو پولیس والے تاش کھیل رہے تھے انہیں اپنی زندگی بچانے کا کوئی موقع نہیں ملا۔ انتہا پسندوں نے جوانوں کو خاموش کرکے تھانے کی اشیا ایک جگہ کہیں رکھ دی اور پوری عمارت کو آگ لگادی۔ ایک پولیس والا جو کہ وائرلیس مین تھا اس لئے بچ گیا کہ وردی میں نہیں تھا اور اس نے خود کو ایک کسان بتایا۔ اس پر دہشت اس قدر سوار ہے کہ وہ ابھی بہتر انداز میں کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

رات میں اعلیٰ پولیس عہدیدار اور وزیر اعلیٰ نے تھانے کا دورہ کیا۔ ماؤ نواز انتہا پسندوں نے جائے واقعہ پر کچھ پوسٹرس اور ہینڈ بل بھی چھوڑے۔ جن میں پولیس کو دھمکی دی گئی تھی کہ اگر انہوں نے ماؤ نوازوں کو ہراساں کرنا بند نہیں کیا تو مزید خون خرابے کے لئے تیار رہیں۔ اس واقعہ کے بعد ٹیکاری کے لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہوگیا ہے بالخصوص بڑی ذات کے دوکاندار سہمے ہوئے ہیں۔ لوگوں کا کہنا ہے جب پولیس اپنا تحفظ نہیں کر سکتی تو ہم لوگوں کا تحفظ کیسے کر سکتی ہے۔ ایک شخص جس کا نام رام دین ہے، کا کہنا ہے کہ پولیس نے مجھے بار بار اس شبہے میں پیٹا کہ میں ایم سی سی کا حامی ہوں۔

> ایم سی سی نے جائے واقعہ پر جو پرچے چھوڑے تھے ان میں اس بات کا اشارہ تھا کہ یہ انتقام اس لئے لیا گیا ہے کہ پولیس ماؤ نواز انتہا پسندوں پر مظالم کے پہاڑ توڑتی ہے۔ اور ان کے حامیوں کو بھی ہراساں کرتی ہے۔

گاؤں کے کچھ لوگوں کا الزام ہے کہ کچھ پولیس والے ایم سی سی سے ملے ہوئے ہیں۔

دوسری طرف گیا کے ایس پی انوراگ گپتا کا کہنا ہے کہ ممکن ہے کہ کچھ معطل شدہ پولیس والوں نے ایم سی سی کے انتہا پسندوں کی مدد کی ہو۔ جب اعلیٰ پولیس افسران نے ہسپتال کا دورہ کیا تو وہاں عجیب و غریب صورت حال تھی۔ پولیس کے جوان اپنے ہی اعلیٰ افسران پر برس رہے تھے اور ڈائرکٹر جنرل آف پولیس ایس کے سکسینہ سے پولیس والوں نے دھینگا مشتی بھی کی اور انہیں گالیوں سے بھی نوازا۔ مشتعل پولیس والوں نے الزام لگایا کہ یہ واقعہ سیاسی زیادہ ہے اور انتہا پسندوں سے نمٹنے کے لئے کہیں اور بہت ہتھیاروں کی ضرورت ہے جو مہیا کئے جانے چاہئیں۔ ایک پولیس افسر کا کہنا ہے کہ ان کے مطالبات جائز ہیں۔ ایم سی سی کے پاس جدید ترین ہتھیار ہیں جبکہ گیا، چترا، ہزاری باغ،

نکسلوادیوں
پولیس ہلاک
گذشتہ دہے میں ہلا

1
5
6
3
18
5
7
5
8
6
12
20
8

*Till Jan 20

اس شمارے کی قیمت پانچ روپے
سالانہ چندہ ایک سو روپے / چالیس امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل
49، ابو الفضل انکلیو
جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا
فون نمبر 6827018 ۔۔ 6926030
سری نگر بذریعہ ہوائی جہاز ساڑھے پانچ روپے

بئی فساد کے مجرموں کو تو بچالیا مگر وہ یہ نہ بھولیں کہ

ر لہو پکارے گا آستیں کا

تحریر : سہیل انجم

نداز سے ختم کیا گیا ہے۔ ایک جج ۲۱ اسٹاف اور چار وکلاء پر مشتمل یہ کمیشن اب تاریخ کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ اس کمیشن نے ۳۰۲ دنوں میں ۱۸۶۰ گھنٹے کام کیا۔ ۴۰۲ افراد کی گواہیاں لیں جن میں ۱۶۰ پولیس والے بھی تھے۔ ۳۲ پولیس تھانوں کی انکوائری ہونی تھی جن میں سے زیادہ کی ہو گئی تھی صرف ۹ تھانے رہ گئے تھے۔ ۱۷ پولیس افسران کو نوٹس جاری کئے جاچکے تھے اور ان سے کہا گیا تھا کہ وہ آکر فساد میں اپنے رول کی تشریح کریں۔ ۲۱۱۹ بیان حلفی داخل کئے جاچکے تھے۔ ہزاروں صفحات پر مشتمل انکوائری کی تفصیل کو ابھی مرتب نہیں کیا گیا تھا یہ کام جلد ہی ہونے والا تھا۔ اور اس پر ایک کروڑ ۷۰ لاکھ کا صرفہ آچکا تھا۔ لیکن حکومت نے مجرموں کو پکڑنے کا دروازہ ہی بند کردیا۔

جوشی کی اس دلیل پر کہ تین سال ہو گئے کمیشن کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، جسٹس شری کرشنا کہتے ہیں کہ ایک جج کی تربیت جس انداز میں ہوتی ہے وہ اسی انداز میں اپنا کام کرتا ہے۔ ویسے بھی وہ اس وقت بمبئی ہائی کورٹ کے سٹنگ جج ہیں۔ وہ اتنا وقت کہاں سے نکال کر لاتے کہ شب وروز اس میں مصروف رہتے۔ حکومت اگر ان کی کارروائی سے مطمئن نہیں تھی تو اسے چاہئے تھا کہ وہ دوسرے جج کی تقرری کرتی یا مزید جج شامل کرتی۔ ریٹائرڈ جسٹس بی لینٹن حکومت کی دلیل کو مسترد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جانچ کمیشن میں برسوں لگتے ہیں، وہ مدان کمیشن کی مثال پیش کرتے ہیں جو ۱۹۷۰ میں ہونے والے بھیونڈی فساد کی جانچ کررہا تھا اور اس کا کام ساڑھے چار سال میں مکمل ہوا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ عوام کو زیادہ دنوں تک بیوقوف نہیں بناسکتے۔ واضح طور پر یہ فیصلہ سیاسی ہے۔ میں اس کا قائل ہوں کہ ایک سٹنگ جج کو جانچ کمیشن میں نہیں لگانا چاہئے۔

معروف ماہر قانون نانی پالکھی والا کا حکومت کے اس فیصلے پر کہنا ہے کہ یہ واضح طور پر اقتدار کا ناجائز فائدہ اٹھانا ہے۔ اس ملک میں اقتدار کا ناجائز فائدہ اتنے وسیع سطح پر اٹھایا جاتا ہے کہ اب عوام میں اس پر کوئی بہت زیادہ رد عمل سامنے نہیں آتا۔ سی پی آئی نے حکومت کے اس فیصلے کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کا اعلان کیا ہے۔ اس کی وکیل نیلوفر بھگوت کا کہنا ہے کہ یہ عوام کے مفادات کے خلاف لیا گیا فیصلہ ہے۔ ہم اس کے خلاف عدالت میں جارہے ہیں،

معروف قانون داں نوروز سیروانی کا کہنا ہے کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ نازی ازم اقتدار میں واپس آگیا ہو اور اس نے نیورم برگ مقدمہ کو تحلیل کردیا ہو۔ قانونی ماہرین کا بہت بڑا طبقہ حکومت کے اس فیصلے کی شدید مذمت کررہا ہے اور اس کے نزدیک یہ انتہائی غلط اور ناجائز ہے۔

لیکن شیوسینا کے ایک سینئر لیڈر کا کہنا ہے کہ ہم سب جانتے ہیں کہ جانچ کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا۔ لوگوں کے نام اس وقت سامنے آتے جب پارلیمانی الیکشن ہورہا ہوتا اور اس سے ہمیں زبردست پریشانی ہوتی۔ اس لئے بہتر یہی تھا کہ اس کمیشن کو ختم کردیا جائے اور حکومت نے وہی کیا۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ انتخابات تک عوام اسے فراموش کردیں گے۔

انکوائری کمیشن کے ذریعہ شیوسینا کے ممبر اسمبلی مدھوکر سرپوتدار سے جرح ہورہی تھی۔ کمیشن نے ایک شیوسینک کی یہ اپیل بھی مسترد کردی تھی کہ سرپوتدار سے جرح نہ کی جائے۔ سرپوتدار وہ شخص ہے جسے فسادات کے دوارن گاڑیوں میں اسلحے لے جاتے ہوئے پکڑا گیا تھا لیکن اس وقت کی کانگریس حکومت کے دباؤ میں اور پولیس کی فرقہ وارانہ ذہنیت کے نتیجے میں اسے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اہل بمبئی نے اس کا رول ابھی فراموش نہیں کیا ہے۔ اس نے نرمل نگر پولیس اسٹیشن کے سامنے اشتعال انگیز تقریر بھی کی تھی اور اپنے حامیوں سے کہا تھا کہ وہ مسلمانوں کو ختم کردیں ایک بھی مسلمان بچنے نہ پائے اور نہ ہی کسی کا ایک بھی گھر سلامت رہے۔ اس تقریر کے بعد مشتعل ہجوم اور پولیس نے مسلمانوں کے گھروں پر دھاوا بول دیا تھا اور ان کو لوٹ کر نذر آتش کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ فوج نے اس کو قومی سلامتی ایکٹ میں گرفتار کیا۔ جس وقت اسے پکڑا گیا اس کے ساتھیوں اور اس کے پاس بھاری تعداد میں اسلحے موجود تھے۔

> ٹھاکرے اور جوشی اسے قطعی فراموش نہ کریں کہ مظلوم کا خون کبھی رائگاں نہیں جاتا۔ وہ مٹا یے نہیں مٹتا اور ہمیشہ ظالم کا پیچھا کرتا رہتا ہے۔ انہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا۔ آستین کے لہو سے اٹھنے والی آواز ایک نہ ایک دن اپنا انتقام لے کر رہے گی۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ بمبئی فساد دراصل مسلمانوں کی منظم نسل کشی تھی اور ٹھاکرے نے اپنے اخبار میں شیوسینکوں کو مسلمانوں کو سبق سکھانے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگلے دو دن ہمارے ہوں گے اور ان دو دنوں میں مسلمانوں پر کیسی کیسی قیامتیں گزر گئیں آگ کے کیسے کیسے بھیانک دریاؤں سے انہیں پار ہونا پڑا یہ کوئی ان لوگوں سے پوچھے جو بھیانک فساد کے چشم دید گواہ ہیں یا جن پر یہ قیامتیں گزری ہیں۔ اسی دوران پولیس کی گشتی گاڑیوں سے ایک دوسرے کو بذریعہ وائرلیس یہ ہدایتیں کی جارہی تھیں کہ مسلمانوں کو ختم کردیں انہیں نیست و نابود کردیں اور ان کی املاک و جائیداد کو تاخت و تاراج کردیں۔ بال ٹھاکرے نے بھی ایسے ہی پیغامات ارسال کئے اور مسلمانوں کو لانڈیا (نامرد) اور ہرا سانپ کہہ کر انہیں سبق سکھانے کی ہدایت کی۔ معروف صحافی تیستا سیتل واڈ اور ان کے شوہر جاوید آنند نے پولیس وائرلیس سے نشر ہونے والے ان پیغامات کو ٹیپ کرلیا تھا اور انہوں نے اسے ہائی کورٹ میں پیش کرکے ملک گیر سطح پر ایک دھماکہ کردیا تھا۔ اس سے بمبئی پولیس اور مجرموں کا چہرہ بے نقاب ہوگیا تھا۔

عدالت کے سامنے دی گئی شہادتوں کی بنیاد پر فسادیوں کی جو فہرست بنائی گئی اس میں شہر کے تمام اسمبلی حلقوں کے شیوسینک شامل ہیں،

باقی صفحہ ۱۴ پر

اور پولیس میں خونیں تصادم

نکسلوادیوں کے ذریعہ پولیس ہلاکت

گذشتہ دہے میں ہلاکتوں کی تعداد

سال	تعداد
1984	1
1985	5
1986	6
1987	3
1988	18
1989	5
1990	7
1991	5
1992	8
1993	6
1994	12
1995	20
1996*	8

*Till Jan 20

جہان آباد اور اورنگ آباد میں پولیس انتہا پسندوں سے صرف رائفل سے مقابلہ کرنے پر مجبور ہے۔ اس لعنت سے مقابلہ کرنے کے لئے ان علاقوں میں پولیس کی ۳۵۰ چوکیاں قائم کی گئی ہیں لیکن انہیں وائرلیس سیٹ تک نہیں دیا گیا ہے۔ ایک افسر کا ماننا ہے کہ یہی وجوہات ہیں کہ بہت سے پولیس والے اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت کے لئے انتہا پسندوں سے سودہ کرنے پر مجبور ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ گیا میں ایک جگہ پولیس نے گیارہ افراد کو ایم سی سی کے انتہا پسند کہہ کر گولی مار دی تھی۔ پولیس والوں کے ساتھ ساتھ انتظامیہ کے افسران پر بھی ان کا غضب ٹوٹتا ہے۔ گذشتہ ایک سال میں ان لوگوں نے تقریبا ایک درجن افسران کو اس لئے مار دیا کہ وہ اپنے ان آٹھ افراد کو رہا کرانا چاہتے ہیں جنہیں ۱۹۸۷ء میں دلیل چک بگھودا گاؤں میں ۵۴ افراد کو بھون دینے کے الزام میں پھانسی کی سزا سنائی گئی ہے۔ ایک طرف یہ صورت حال ہے اور دوسری طرف گاؤں میں ان نکسلی انتہا پسندوں کی زبردست مقبولیت ہے۔ رام اوتار نامی ایک شخص کا کہنا ہے کہ ہم تو ان لوگوں سے خوفزدہ نہیں ہیں وہ تو مجرموں کو خواہ وہ سادے لباس میں ہوں یا وردی میں مار کر بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ ایم سی سی کی ایک تنظیم

گھروں میں ہونے والی تقریبات میں نٹ لڑکیوں کے رقص پر بھی پابندی لگا دی ہے۔ جیسا کہ ایم سی سی کے انتہا پسند عوام کو مارنے کے ساتھ ساتھ پولیس والوں کو بھی نشانہ بنارہے ہیں ۱۹۶۷ء سے لے کر اب تک ۱۵۰ پولیس جوانوں کو موت کی نیند سلاچکے ہیں۔ ۵۰۰ رائفل چھین لے گئے ہیں۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو انہوں نے مظفر پور کے نیا گاؤں تھانہ پر حملہ کیا تھا۔ انہوں نے پہلی بار ۱۹۷۱ء میں مغربی سنگھ بھوم کے روپائس منڈی تھانے پر حملہ

کرانتی کاری سنسکرتی سنگھ نے گاؤں سے سماجی برائیوں جیسے جہیز وغیرہ کے خاتمے اور لوگوں کی شادیاں کرانے کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ یہ لوگ شراب و منشیات کے خلاف بھی مہم چلائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مالداروں کے

کر کئی پولیس والوں کو ختم کیا تھا۔ اس وقت ۹۵ رائفل چھین لے گئے تھے۔ گذشتہ دہائی میں سب سے زیادہ پولیس والے ان کے ہاتھوں مارے گئے۔ ان کی تعداد ۱۰۰ تک پہنچ گئی تھی۔

جنوں کی دنیا انسانی دنیا کے حسی تجربے کے احاطے میں نہیں آتی

جنوں کو دیکھنے کا دعویٰ کرنے والے پر شیطان تھوک دیتا ہے

ابلیس کے باغی رفیق سے انٹرویو ــــ دسویں قسط

گذشتہ شمارے میں جنوں کی عادات و اطوار اور بعض ذاتی خواص کے بارے میں مسافر اور ایک مسلمان جن کے درمیان گفتگو کا حال بیان ہوچکا ہے۔ اب پیش خدمت ہے جن کی عدم روایت کے سے متعلق دونوں میں ایک فلمی مکالمہ جس کی بنیاد اس آیت کریمہ پر ہے کہ: " اے بنی آدم! (دیکھنا کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو (بہکاکر) بہشت سے نکلوادیا اور ان سے ان کے کپڑے اتروا دئے تاکہ ان کے ستر ان کو کھول کر دکھا دے۔ اور اس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے شیطانوں کو انہی لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔

امام قرطبی نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ بعض علماء کے خیال میں اجنہ اس طرح نہیں دکھائی دیتے جیسے کہ انسان ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر اللہ تبارک و تعالی چاہے تو وہ ان کے جسموں کو انسانوں کے سامنے کسی صورت میں ظاہر کرسکتا ہے۔ " جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے " کا فقرہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اجنہ کا دکھا جانا صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہی ممکن تھا کہ یہ بات بھی آپ کی نبوت کی دلالتوں میں سے تھی اور اللہ عزوجل نے انہیں ایسی شکل میں پیدا کیا جس میں وہ نظر نہیں آتے اور ان کا کسی اور صورت میں منتقل ہونا معجزات میں سے تھا جن کا ظہور انبیاء علیہ السلام کے زمانے میں ہی ہوا کرتا تھا۔

بیہقی نے مناقب الشافعی میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے سنا کہ جو شخص یہ دعوی کرے کہ اس نے کسی جن کو دیکھا ہے تو اس کی شہادت باطل ہے الایہ کہ وہ نبی ہو۔ ابن حزم الظاہری نے بھی اس رائے کی تائید ان الفاظ میں کی ہے اجنہ ہمیں دیکھتے ہیں لیکن ہم انہیں نہیں دیکھتے۔ اور جب اللہ تعالی نے اپنے کلام میں خود ہمیں یہ خبر دی ہے کہ ہم اجنہ کو نہیں دیکھ سکتے پس اگر کوئی شخص یہ دعوی کرے کہ وہ اجنہ کو دیکھتا ہے یا کبھی دیکھا ہے تو وہ جھوٹا ہے الایہ کہ ایسا دعوی کرنے والا شخص نبی ہو تو اس کی یہ صلاحیت معجزے میں شمار ہوگی۔ ورنہ جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جنوں کو دیکھنے کے دعویدار شخص کے اوپر شیطان تھوک دیتا ہے تاکہ وہ نماز سے غافل ہوجائے۔

سوال:ــ رویت جن کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کیا کسی انسانی وجود کے لئے ممکن ہے کہ وہ جناتی وجود کا عینی مشاہدہ کرسکے۔

جواب:ــ تم انسانوں کا خیال ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ "میں نے جنات کو دیکھا ہے تو اس کی شہادت قابل قبول نہیں ہے یعنی اس کی گواہی رد کردی جائے گی۔

سوال:ــ جی ہاں یہی بات ہے اور یہ قول امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔

جواب:ــ لیکن جو کچھ اس بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے اس سے رویت جن کی نفی ہوتی۔ اللہ نے ہمیں جس اصل پر تخلیق کیا ہے وہ ہماری فطرت کے عین مطابق ہے اور ہماری جسمانی حالت سے متناسب ہے تو اللہ کی مرضی سے ہماری دنیا کچھ ایسی بنی ہوئی ہے کہ وہ انسانی دنیا سے دیکھی نہیں جاسکتی نہ ہی کوئی ہماری دنیا کی باتوں کو سن اور نہ ہی چھو سکتا ہے۔ علاوہ چند استثنائی حالتوں کے جس کے تحت کوئی ہماری دنیا کی بعض نمایاں باتوں کو جاننے کا علم رکھتا ہو ورنہ انسانی دنیا کے عام حسی تجربات کے احاطے میں نہیں آتا۔

سوال:ــ تو آپ کے خیال میں وہ استثنائی حالتیں کیا ہوسکتی ہیں۔؟

> اجنہ کا دکھا جانا صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہی ممکن تھا کہ یہ بات بھی آپ کی نبوت کی دلالتوں میں سے تھی اور ان کا کسی صورت میں منتقل ہونا معجزات میں سے تھا

جواب:ــ یہ وہ حالتیں ہیں کہ جب ہم کوئی مادی شکل اختیار کرکے سامنے آئیں۔ یا کوئی شخص سحر کی حالت میں ہو یا سحر کیا ہوا پانی پئے ہوئے ہو۔

سوال:ــ اگر اس کے بارے میں آپ کچھ قدرے تفصیل سے بتادیں تو کیا کوئی حرج ہے تاکہ عاقل کے علم میں اضافہ ہوسکے اور جو ان باتوں سے لاعلم ہے اسے کچھ واقفیت حاصل ہوجائے۔

جواب:ــ نہیں کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ بڑے شوق سے مجھ سے اس کی تفصیل سن سکتے ہیں۔ تو بات یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے ہمیں خاص طور پر یہ قدرت عطا کی ہے کہ ہم جب چاہیں کوئی بھی شکل و صورت اختیار کرلیں انسان ہو یا حیوان، چرند پرند و درند کی کوئی قید نہیں۔ اور اس کی تصدیق آپ قرآن کریم کی اس آیت سے کرسکتے ہیں کہ: "اور جب شیطان نے اعمال کو آراستہ کر دکھایا اور کہا کہ آج کے دن لوگوں میں سے تم پر کوئی غالب نہ ہوگا اور میں تمہارا رفیق ہوں (لیکن) لیکن جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئیں تو پسپا ہوکر جل دیا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں تو ایسی چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے تو خدا سے ڈر لگتا ہے۔"

اب جن نے مسافر کے کمرے میں رکھی ہوئی کتابوں کی طرف کن آنکھیوں سے دیکھا اور کہا:

سوال:ــ اس آیت کی کوئی تفسیر کہیں تمہارے پاس ہو تو مجھے دکھاؤ۔؟

جواب:ــ میرے پاس دونوں تفسیریں ایک ابن کثیر کی اور دوسری قرطبی کی۔ میں آپ کو قرطبی کی تفسیر پڑھ کر سناتا ہوں۔

(اگلی دلچسپ قسط کا انتظار فرمائیے)

●

بقیہ: ــ تیونس

تھی جس کی وجہ سے اسے بتدریج مقبولیت حاصل ہورہی تھی۔ ابن علی دراصل متوسط طبقہ کے رہنما ہیں جس میں فوج، پولیس، تجارت پیشہ طبقہ وغیرہ شامل ہیں۔ اخبارات اور ایسے دوسرے ذرائع پر انہیں کا قبضہ ہے۔ چونکہ اس طبقے کو ابن علی کی پالیسیوں سے کافی فائدہ پہنچا ہے اس لئے انہوں نے صدر کی نہضہ پارٹی کو ختم کرنے کی پالیسی کی کھل کر تائید کی، کیونکہ یہ پارٹی دولت کی اسلامی بنیادوں پر منصفانہ تقسیم کے ساتھ مغرب نوازی اور اس کے ساتھ منسلک بے حیائی کے بھی خلاف ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مغرب تیونس کے سیاسی قیدیوں کے مسئلے کو لے کر کبھی وہاں کی حکومت کی نہ تنقید کرتا ہے اور نہ ہی امداد بند کرتا یا اس قسم کی کوئی دھمکی دیتا ہے۔ ایسے ہتھکنڈے صرف ان ممالک کے خلاف استعمال کئے جاتے ہیں جو بعض جائز وجوہ سے مغرب کے خلاف اس کی پالیسی کے مخالف یا معاشی میدان میں اس کے مدمقابل آنے کے لئے جدوجہد کررہے ہیں۔

لیکن کیا سیاسی مخالفین کو قید کرکے یا ریاستی دہشت گردی سے عوام کو دبایا جاسکتا ہے؟ یہ وہ نکتہ ہے جسے ابن علی جیسے آمر اکثر نظرانداز کردیتے ہیں اور جو بالاخر ان کے لئے موت و حیات کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ کیا تیونس کی ریاستی دہشت گردی یوں ہی جاری رہے گی اور وہاں کے عوام اسے مدت دراز تک یوں ہی برداشت کرتے رہیں گے؟ ممکن ہے معاشی ترقی کی وجہ سے متوسط طبقہ ہمیشہ خاموش رہے مگر کیا وہ لوگ بھی خاموش رہیں گے جو محروم ہیں۔ دراصل ریاستی دہشت گردی اور آمریت ہی انتہا پسندی کو جنم دیتی ہیں۔ اگر کل کسی وقت تیونس میں بھی " اسلام پسند " ہتھیار اٹھالیں تو اس کی سراسر ذمہ داری ابن علی کی حکومت پر عائد ہوگی۔

بقیہ: ــ اریٹریا اور یمن

آزادی سے کہہ دیا گیا ہے کہ ان سبھوں کو فوج میں نوکری نہیں مل سکتی۔

مذکورہ قیاس آرائیاں جاری تھیں کہ اریٹریا کی مذاکراتی ٹیم کے ایک ممبر نے عدن میں یہ کہہ کر اصل وجہ خود ہی بتادی کہ ان جزائر کی " منفی معاشی " اہمیت ہے۔ یعنی ان سے خود کوئی معاشی فائدہ تو حاصل نہیں ہوتا لیکن اریٹریا نے ان پر فوجی قبضہ اس لئے کیا ہے تاکہ انہیں مستقبل میں کبھی اس کے دوسرے معاشی فوائد کو نقصان پہنچانے کے لئے نہ استعمال کیا جاسکے۔ دراصل اٹلی کی ایک فرم ان جزائر پر ایک سیاحتی مرکز قائم کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ اریٹریا خود اسی قسم کا ایک سیاحتی مرکز اپنے ایک جزیرے پر تعمیر کررہا ہے۔ اٹلی کی فرم کے اقدام کو اس نے اپنے پروجیکٹ کے لئے خطرہ تصور کرکے ان جزائر پر قبضہ کرلیا تاکہ نہ رہے گا بانس نہ باجے گی بانسری۔

اب ذرا اریٹریا کے پروجیکٹ پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔ ٹیکس کے ایک ٹھیکے دار بی کے اینڈرسن کے اریٹریا کے گوریلاؤں سے مدت سے تعلقات ہیں۔ آزادی کے بعد اس نے حکومت اریٹریا کے سامنے ۲۱۰ ملین ڈالر کی مدد سے اس کے ایک جزیرے پر ایک سیاحتی مرکز قائم کرنے کا منصوبہ پیش کیا جو مذاکرات کے بعد قبول کرلیا گیا۔ خیال یہ ہے کہ یہاں دو کیسینو، ۲۰۰ کمروں کا ایک پانچ ستاروں والا ہوٹل اور دوسری سہولیات فراہم کی جائیں گی۔ اور یہ سب خاص طور سے، اینڈرسن کے مطابق ان امیر سعودی شہریوں کے لئے کیا جائے گا جو تفریح کے لئے بحرین اور یورپ جاتے ہیں۔ اینڈرسن یہ بھی کہتا ہے کہ امیر سعودی اپنے ملک میں "عیش" کرنے کے مواقع نہیں پاتے اس لئے انہیں یورپ کے بجائے یہیں سب کچھ فراہم کیا جائے گا۔ اینڈرسن اور اریٹریا دونوں کو اعتماد ہے کہ ان کا پروجیکٹ کامیاب ہوگا۔ وہ ابھی سے یہ یقین دلارہے ہیں کہ اریٹریا کے اسلام پسند کوئی خطرہ نہیں ہیں۔ سیکورٹی کا معقول انتظام ہوگا اس لئے عرب بے خطرہ وہاں جاسکتے ہیں۔

تو یوں کہئے کہ امیر عربوں کے لئے عیش و عشرت فراہم کرکے معاشی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اریٹریا نے دراصل اپنا جزیرہ کرائے پر دے دیا ہے جس سے اسے بہت بڑی آمدنی ہوگی۔ ہر ایک ایکڑ زمین پر اسے سالانہ پانچ سو ڈالر ملیں گے۔ اس کے علاوہ دونوں کیسنو کی آمدنی کا چالیس فیصد بھی۔

مگر جو بات سب سے اہم ہے وہ یہ ہے کہ یہ پورا پروجیکٹ اور اس کے پیچھے کارفرما تصور عربوں، خصوصا امیر سعودیوں کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا ناممکن نہیں کہ امریکی اور یوروپی باشندے ان کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ اپنے ملک میں " سخت اسلامی قوانین " کی وجہ سے وہ دوسرے ممالک میں "عیش" کرنے جاتے ہیں۔ یہ دراصل وہی ذہنیت ہے کہ عرب بے پناہ امیر ہوگئے ہیں حالانکہ وہ اس کے مستحق نہیں ہیں کیوں نہ ان کی دولت سے عیش کا سامان فراہم کرکے، خود بھی فائدہ اٹھایا جائے۔ یہ یورپ و امریکہ میں ایک عام تصور ہے۔ کیا اس میں تمام عربوں بالخصوص سعودی امراء کے لئے عبرت کا سامان نہیں ہے

حوالہ اسکینڈل سے سیاسی پارٹیاں سہمی ہوئی ہیں

کیا سی بی آئی وزیر اعظم راؤ کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتی ہے؟

معاصر صحافت کے اس کالم میں ہم مسلم معاملات، سیاسی حالات اور دوسرے اہم موضوعات پر معروف اہل قلم اور صحافیوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ یہ مضامین ہم مختلف قومی اخبارات سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین دوسرے اخبارات کے قلم کاروں کے نظریات و خیالات سے واقف ہو سکیں اور یہ جان سکیں کہ دوسری زبانوں کے اخبارات مذکورہ معاملات پر کیا موقف اختیار کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

تحریر نکھل چکرورتی

ایسا لگتا ہے کہ گذشتہ دو ہفتوں میں ہندوستانی سیاست ایک حد درجہ خوفناک موڑ پر آگئی ہے۔ سی بی آئی کی طرف سے سپریم کورٹ کو بشمول تین وزرائے کابینہ کے بعض سیاسی لیڈران کے جین حوالہ اسکینڈل میں ملوث ہونے کے بارے میں بتائے جانے پر عوام میں حیرت اور مسرت کا ملا جلا رد عمل دیکھا گیا گویا کہ انہوں نے اس پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ بد عنوان عناصر کو قرار واقعی سزا دی جائے اور اعلیٰ اختیار کے مالکوں کے ساتھ بھی بغیر کسی رو رعایت کے قانونی کارروائی کی جائے۔ سپریم کورٹ نے سی بی آئی کو ہدایت کی تھی کہ اس کی تفتیشی کارروائی کی زد میں کوئی کتنا ہی با اختیار شخص آئے قانون کو اس پر برتری حاصل ہوگی۔ اس کے ساتھ سپریم کورٹ کی اس خواہش نے کہ معقول بنیاد پر عائد کردہ الزامات کی جلد تحقیق کی جائے وزیر اعظم کو جین کی طرف سے پیش کردہ رقم کے الزام کی تحقیق کو فوری نوعیت کا مسئلہ بنا دیا ہے

کیا سپریم کورٹ اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اس کے خیال میں وزیر اعظم پر لگایا گیا الزام معقول بنیاد سے خالی قرار دیا جائے گا۔ عوام کا مزاج ایسا بن چکا ہے کہ وہ خود سی بی آئی کے ہی فیصلے کو قبول نہیں کریں گے کیونکہ سی بی آئی براہ راست وزیر اعظم کی نگرانی میں ہے۔ گویا کہ سی بی آئی سپریم کورٹ کو مطمئن کرے کہ وزیر اعظم کے معاملے میں اس کی بے عملی حق بجانب تھی کیونکہ ان پر عائد کردہ الزام کی سی بی آئی کی نظر میں

> عوام کا مزاج ایسا بن چکا ہے کہ وہ خود سی بی آئی کے ہی فیصلے کو قبول نہیں کریں گے کیونکہ سی بی آئی براہ راست وزیر اعظم کی نگرانی میں ہے۔ گویا کہ سی بی آئی سپریم کورٹ کو مطمئن کرے کہ وزیر اعظم کے معاملے میں اس کی بے عملی حق بجانب تھی کیونکہ ان پر عائد کردہ الزام کی سی بی آئی کی نظر میں کوئی معقول بنیاد نہیں تھی۔

کوئی معقول بنیاد نہیں تھی۔ سپریم کورٹ کے موجودہ تیور دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ وزیر اعظم کو الزام سے بری کرنے کا اعلان اس کے میز سے ہوا۔

ملک کی فضا اس وقت اتنی مکدر ہے کہ دو ہفتوں سے وزیر اعظم اور ان کے عملے کی مکمل تفتیش کرانے کا مطالبہ خاصا زور پکڑتا جا رہا ہے اور اس چیلنج کا مقابلہ کرنے میں کسی طرح کی تاخیر حکومت کے نقطہ نظر سے نقصان دہ ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ وزیر اعظم کی زیر نگرانی کام کرنے والی سی بی آئی کیا خود ان کے خلاف کارروائی کر سکتی ہے جب کہ وہ اپنے عہدے پر بدستور قائم ہیں یا یہ کہ اس کے لئے نرسمہا راؤ کو وزارت عظمیٰ کے منصب سے دست بردار ہونا ضروری ہوگا۔ یہ ایک پیچیدہ سوال ہے جس کا وزیر اعظم کے عہدے سے متعلق عوامی رد عمل سے براہ راست تعلق ہے۔ وزیر اعظم کو خواہ کتنے ہی اعلیٰ اختیارات حاصل ہوں عوامی عدالت کے سامنے ان کے معاملے کا فیصلہ دوسرے ہی انداز میں کیا جائے گا اور وہ بھی جب تمام سیاستداں یہ سمجھ چکے ہوں کہ ان کو گھیرنے اور رسوا کرنے کا سازگار ترین موسم یہی ہے۔

ان ساری باتوں سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ جب ایک بار منتخب سیاستدانوں سے حساب مانگنے اور بد عنوان عناصر کو گرفت میں لینے کا سلسلہ چل نکلا ہے تو اس سیلاب کی زد پر کوئی بھی آسکتا ہے۔ ایسی سنگین ترین بد عنوانی کے تئیں جس میں سیاستداں بھی ملوث ہوں سپریم کورٹ کے رویے نے بے شک عوام کی توقعات بڑھا دی ہے۔ یعنی اب سپریم کورٹ نہ صرف آئین کی محافظ بن گئی ہے بلکہ انتظامیہ کی قیادت بھی کر رہی ہے۔

قانون دانوں کے نزدیک سپریم کورٹ کا یہ رویہ خواہ کیسا بھی ہو لیکن، انتظامیہ کو کھینچنے اور خصوصاً بد عنوانی کے خاتمے کی سمت میں اس کے اقدام کی حمایت عوامی حلقوں سے کھل کر ہو رہی ہے۔ اس سے یہ بنیادی سوال بھی اٹھتا ہے کہ آیا عدلیہ جس کا انتخاب نہیں بلکہ تقرر ہوتا ہے انتظامیہ سے برتر سمجھی جائے گی جو منتخب وزارتوں کی کونسل پر مشتمل ہوتی ہے۔ ملک میں سیاست کی ادنیٰ سطح پر بھی یہی باتیں آج موضوع گفتگو بنی ہوئی ہیں۔

جین حوالہ کیس پر عوامی رد عمل کے نتیجے میں ملک کی تین بڑی سیاسی پارٹیوں کی ساکھ بری طرح مجروح ہوئی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حوالہ میں ان کا نام آنے سے اندرونی تلخیاں گہری ہو گئی ہیں۔ کانگریس کے صدر پر مخالفین کے حملوں کی رفتار تیز ہو گئی ہے۔ بی جے پی جو کانگریس راج کو چیلنج کرتی رہتی تھی خود شدید بحران سے دوچار ہے۔

اس کے صدر ایل کے ایڈوانی کا نام نہ صرف حوالہ ڈائری میں درج ہے بلکہ اب ان کے لئے یہ بتانا مشکل ہو رہا ہے کہ اگر ان کے پاس جین سے کوئی رقم آئی تو اسے انہوں نے کہاں خرچ کیا۔ بی جے پی اور اس جیسی دیگر تنظیمیں اب کیا حکمت عملی اختیار کرنے جا رہی ہیں یہ کہنا مشکل ہے تاہم اس میں شک نہیں کہ حوالہ دھماکے کے بعد عوام کی نظروں میں بی جے پی کی حیثیت ایک جانباز اور بہادر پارٹی کی نہیں رہ گئی ہے۔ اس پارٹی کے دئے ہوئے انسداد بد عنوانی اور قومی امن کے استحکام کے نعرے عوام کو کچھ زیادہ متاثر نہ کر سکیں گے کیونکہ جین حوالہ کیس کشمیری علیحدگی پسند دہشت گرد کی گرفتاری سے وجود میں آیا ہے جو جین سے غیر قانونی لین دین میں ملوث تھا۔ جین حوالہ کیس میں پھنسے ہوئے بی جے پی لیڈران کو عوام کو یہ باور کرانے میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا ہوگا کہ وہ علیحدگی پسندی کا مقابلہ کیسے کریں گے۔

بی جے پی کے مقابلے میں جنتا دل کی حالت جین حوالہ میں الجھنے کے حوالے سے قدرے بہتر ہے۔ شرد یادو نے سب سے پہلے یہ اعتراف کیا کہ انہوں نے پارٹی کے کاموں کے لئے جین سے ایک خطیر رقم حاصل کی تھی۔ پارٹی کو متوقع سنگین نقصان پہنچانے والے معاملے میں جنتا دل کے صدر بومئی کو ہٹانے کا کام خاصا نازک ثابت ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اس عہدہ پر لالو پرساد یادو کا تقرر جنتا دل کو انتشار سے بچا لے تاہم یہ اس کے اتحاد کو مستحکم نہیں کر پائے گی کیونکہ اس میں موجود ہیگڑے موجودہ صورت کو قبول نہیں کریں گے۔ دونوں کمیونسٹ پارٹیاں جین حوالہ اسکینڈل سے صاف باہر آگئی ہیں لیکن ان کا اثر چونکہ بعض حلقوں میں بہت محدود ہے۔ لہذا قومی سیاسی منظر نامے پر ان کا اثر بھی محدود ہی رہے گا۔ موجودہ بحران سے نکلنے کا طریقہ کیا ہے؟ اہم پارٹیوں کی مقبولیت کے اس گرہن کی صورت حال میں عام انتخابات کیسے کرائے جائیں گے۔ کیا ملک کی قسمت کا فیصلہ سپریم کورٹ کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ وزیر اعظم کی کیا حالت بنے گی اور ملک کی سیاست کو دوبارہ پٹری پر لانے کے لئے کیا صدر کوئی کردار انجام دیں گے۔ اور دوسرے کئی سوال ہیں جن پر عوام قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ)

بقیہ: — یتیم بچوں کے ساتھ انصاف کریں

جواب: — دنیا میں اگر صالح ترین نیت کسی کی ہو سکتی ہے تو وہ ماں کی ہے جو ظاہر ہے اس نے ازراہ تعلق کسی خواہش کا اظہار کیا لیکن وہ کسی قدر اس کے اختیار سے باہر ہے کیونکہ اسلام کا نظام میراث بہت واضح ہے اور وصیت کرنے کا حق اگر کسی کو حاصل ہے تو اس نظام کے اندر رہ کر ہی حاصل ہے۔ چونکہ مرحومہ کے بچے اور شوہر ورثاء میں شامل ہیں اس لئے ان پر وصیت کا اطلاق نہیں ہوتا جہاں تک مرحومہ کے مرحوم والدین کا تعلق ہے تو اس میں شک ہے کہ ان کے نام سے کوئی حصہ مخصوص ہو سکتا ہے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو ضرور انہیں حصہ ملتا۔ خط کی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نام سے کوئی وقف آپ کی ماں قائم کر کے اس کا ثواب انہیں پہنچانا چاہتی تھیں۔ اگر ایسا ہے تو آپ اس پر عمل کرتے ہوئے جائداد کا ۹ / ۲ حصہ وقف کر دیں۔ بقیہ جو بھی وہ اس طرح تقسیم ہو: ایک چوتھائی شوہر کو، باقی تین چوتھائی کے گیارہ حصے ہوں ایک حصہ بیٹی کو اور دو حصے پانچ بیٹوں کو۔

ملی پارلیامنٹ تاریکی میں روشنی کا مینار

ملی بیداری کے لئے ملی پارلیامنٹ کا اعلان روشنی کی ایک کرن ہے۔ راشد شاذ صاحب کے بلند عزائم اور جرات مندانہ اقدام قابل فخر ہے۔ آپ نے ملی بیداری کا ایک اہم اجلاس بلاکر مردہ جسم میں نئی روح پھونکی ہے۔ ضمیر کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ زندہ قوم بن کر جینے کا مشورہ دیا ہے اس طرح ملی پارلیامنٹ اندھیرے میں روشنی کا مینار ہے۔ ابھی تو خود غرض اور خود ساختہ رہنماؤں کی دکھتی رگ پر ہلکی سی انگلی رکھی ہے رخ سے ہلکا سا نقاب اٹھایا ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

سید شہاب الدین انصاف مورچہ کے قومی کنوینر کا یہ بیان کہ ملی پارلیامنٹ ایک کاغذی تنظیم ہے جس سے فرقہ پرست پارٹیوں کی ہمت افزائی اور مسلم دشمن کو چھوٹ ملتی ہے سراسر بے بنیاد اور گمراہ کن ہے۔ محترم موصوف نے یہ الزام عائد کرنے سے قبل خود اپنے گریبان میں جھانک لیا ہوتا کہ وہ خود اب تک قوم وملت کے لئے کہاں تک مفید اور کارآمد ثابت ہوئے ہیں۔ اجودھیا مارچ کا دلیرانہ اعلان اور پھر بزدلانہ طور سے منسوخی کی تاریخ سے جو نتیجہ سامنے آیا اور جس سے قوم وملت کی جو ذلت ورسوائی ہوئی ہے وہ کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔

آپ ایک بہتر تعلیم یافتہ اور دانشور تجربہ کار ہوئے یہ خوبی اچھی طرح واقف ہیں کہ قوم کی قسمت میں وعدوں کی ٹوکریاں، ہوائی محل اور تالیوں کی گونج کے سوا کچھ ہمیں نصیب نہیں ہوسکا ہے۔ البتہ رہنماؤں کو فلیٹ، گاڑی اور نوکر نصیب ہوا ہے۔ آپ ایک اچھے صلاحیت کے مالک ضرور ہیں لیکن اچھے سیاستداں نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کی آواز پارلیامنٹ میں بہت گونجی ہے لیکن سرکاری فائلوں پر گرد کی تہیں روز موٹی ہوتی ہیں۔ آپ کی ساری محنت اور کوشش نقار خانہ میں طوطی کی آواز بن کر رہ گئی ہے۔ پھر بھی ہم چنیں دیگرے نیست کی انگڑائیاں ہی لے رہے ہیں

بڑھے چلو کہ کوئی راستہ تو نکلے گا

سید احسان عالم
انچارج
مگدھ کمشنری (مونس)

انجمن ترقی اردو بہار کی مجلس عاملہ کی تشکیل نو

انجمن ترقی اردو بہار کے نو منتخب صدر پروفیسر عبدالمغنی نے انجمن کی مجلس عاملہ کی تشکیل نو کی ہے جو کہ حسب ذیل ہے

نائبین صدر: جناب ہارون رشید، پروفیسر ابوذر عثمانی، جمیل احمد ایڈوکیٹ۔

جنرل سکریٹری: مسٹر سید رضی حیدر

خازن: مسٹر سید انیس الرحمن

سکریٹری: ڈاکٹر شبیر احمد (دفتری و تنظیمی امور) جناب ریاض عظیم آبادی (تعلقات عامہ) جناب فخرالدین عارفی (حلقہ ادب)

ارکان: جناب قیوم خضر، پروفیسر مظفر اقبال، پروفیسر سید شفیع احمد، ڈاکٹر قمر اعظم ہاشمی، معین شاہد، ڈاکٹر شکیب ایاز، قمرالزماں، کلیان کمار بوددار، ڈاکٹر نجیب اختر، پروفیسر احمد سجاد، شکیل الزماں، ڈاکٹر نقی امام، مولانا جسیم الدین امانی ندوی۔

ڈویژنل آرگنائزر: مسٹر رسول اختر (متھلا) عبدالقیوم انصاری (سارن چھپرہ) ڈاکٹر حبیب مرشد خاں، (بھاگل پور) شمیم ربانی (پورنیہ) احترام الیقین (ترہت، مظفر پور) سید فضل وارث (مگدھ، گیا) شفیق عالم (چھوٹا ناگپور، رانچی)

مدعوئین خصوصی: ڈاکٹر آر۔ اسری ارشد، ڈاکٹر اعجاز علی ارشد، ڈاکٹر شاکر خلیق، اکرام الحق، پروفیسر اویس احمد دوراں، ذاکر بلیغ، ڈاکٹر ممتاز احمد خاں، منظور حسین، سید احمد قادری، پروفیسر مناظر احسن، جمیل اختر مکھیا، قیصر زماں قیس، سید انور حسین نواب، شمشاد علی خاں یعقوبی، وفا ملک پوری، سلطان شمسی۔

افتخار عظیم چاند
آفس سکریٹری

ہم خواتین کی تعلیم پر توجہ کیوں نہیں دیتے

میں پچاسوں سال سے اخبارات میں پڑھتا اور لوگوں سے سنتا آیا ہوں کہ مسلمانوں میں عموما دینی وعصری تعلیمات کی نہایت کمی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج ہم مسلمان قومی سطح پر ہر شعبہ زندگی میں بہت پچھڑ گئے ہیں اور دوسروں کی نظر میں ذلیل و خوار ہیں۔ افسوس ہے کہ مسلم بچے حصول علم وفنون پر خاطر خواہ توجہ نہیں دیتے اور نہ مقابلہ جاتی امتحانات میں شامل ہونے کی ہمت رکھتے ہیں۔ مسلم عورتوں میں بھی دینی تعلیم کا فقدان ہے۔ جب تک عورتوں کو دینی تعلیمات سے جلد آراستہ نہیں کیا جائے گا تب تک مسلم معاشرہ صالح نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ عورتوں پر نئی نسل کا انحصار ہے۔ اگر عورتیں تعلیم یافتہ اور اخلاق مند وسلیقہ مند ہوں گی تو گھر و خاندان میں امن و چین رہے گا اور مسلمان خوشحال رہیں گے۔

آیئے جلدی کیجئے ورنہ آج کی ترقی یافتہ دنیا کہاں سے کہاں آگے بڑھ جائے گی۔

محمد علاء الدین
مقام وپوسٹ چترپور ضلع ہزاری باغ (بہار)

آخر یہ سب کیسے ہوگیا

۱۶ تا ۳۱ جنوری ۱۹۹۶ء کا ملی ٹائمز نظر نواز ہوا۔ ویسے میں اس اخبار کا بے حد شیدائی ہوں۔ پانے کے لئے تاریخ کا انتظار کرتا رہتا ہوں۔ میں ملی ٹائمز ہی واحد روشنی ہے جو چنگاریوں کو پھر سے شعلہ بنا سکتا ہے۔

آخری صفحہ کا مضمون آخر یہ سب کیسے ہوگیا؟ پڑھ کر ایسے لگا کہ امت مسلمہ ایک بہت بڑی نعمت سے محروم ہوگئی ہے۔ آخر یہ امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری ہدایت کو کیونکر فراموش کر گئی۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس آخری ہدایت کو امت کے روبرو بار بار دہرایا جائے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تمام ائمہ کرام متفق ہوکر ہر جمعہ کے خطبے میں اس کو سنائیں۔ ملک بھر کی مساجد میں اعلان کرنے کا آپ انتظام فرمائیں تاکہ ہر مسجد میں متعلقہ امام جمعہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ بلا ناغہ پڑھ کر سنائیں تاکہ امت کے ذہن میں یہ آخری ہدایت گھر کر جائے۔

حسین کوربو آزاد ڈیڈی کالونی رائچور (کرناٹک)

اقلیتی مالیاتی کارپوریشن ایک فریب

ہم امت مسلمہ کی اقتصادی بدحالی کو مزید فروغ دینے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ لانے کے لئے مرکزی اور ریاستی حکومت کے رویہ کی شدید نکتہ چینی کرتے ہیں۔ قومی اقلیتی مالیاتی کارپوریشن وریاستی اقلیتی مالیاتی کارپوریشن ایک ایسی آگ ہے جس سے امت مسلمہ کا خرمن جل کر دھواں دھواں ہورہا ہے۔ ۱۹۹۵ء کے اوائل میں وزیراعظم نرسمہاراؤ نے مسلمانوں کو دام فریب میں لانے کے لئے یہ اعلان کیا تھا کہ پانچ ارب روپیہ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی دور کرنے کے لئے قومی اقلیتی مالیاتی کارپوریشن کو دیا گیا ہے۔ یہ رقم ہندوستان کے بدحال مسلمانوں کو راحت پہنچائے گی۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج تک صوبہ بہار کے ایک بھی مسلمانونکی اس فنڈ سے راحت نہ ملی ہے۔ جبکہ ایک اطلاع کے مطابق یوپی میں اٹھارہ کروڑ، مہاراشٹر میں تقریبا بیس کروڑ اور آندھرا پردیش میں ۳۴ کروڑ تقسیم ہوچکا ہے۔ جب مونس کا وفد چیرمین اقلیتی مالیاتی کارپوریشن سے ملا تو انہوں نے کہا کہ چند ضروری اقدامات ریاستی حکومت کو کرنے ہیں وہ آج تک نہ ہو پایا ہے جس کی وجہ سے تاخیر ہورہی ہے۔ ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت پر ذمہ داری ڈال دی۔ بہار کی مسلم آبادی مرکزی وریاستی حکومت کے درمیان اس معاملے پر جھولا جھول رہی ہے۔ مسلمانوں کے زخم پر نمک چھڑکنے کا رویہ بند کرنا ہوگا۔

محمد کمال الظفر (پٹنہ بہار)

اب مسلمان جاگ جائیں

اب وقت آچکا ہے کہ مسلمان جاگ جائیں۔ الیکشن شروع ہونے جارہا ہے۔ بی جے پی، آر ایس ایس اور شیو سینا وغیرہ نے زہر افشانی شروع کردی ہے۔ کانگریس مسلمانوں کو بہلانے میں لگی اور مگرمچھ کے آنسو بہارہی ہے

زبیر اختر صدیقی
ناگبھری، برہانپور (ایم پی)

بقیہ: شری کرشنا کمیشن

جن میں ۶ شاکھا پرکھ ۵۰ سول کارپوریٹر، شیوسینا کے ممبر اسمبلی کالی داس کولمکار اور ریش مورے جیسے لوگ شامل ہیں۔

حکومت کے اس فیصلے کے بعد سماجی وقانونی ماہرین کو یہ خدشہ لاحق ہوگیا ہے کہ شری کرشنا کمیشن کی اب تک کی کارروائی کو اور اکٹھا کی گئی شہادتوں کو حکومت ضائع کردے گی۔ کیونکہ اگر وہ جوں کے توں رہتے ہیں تو کسی نہ کسی وقت شیوسینا کے گلے کا پھندہ بن سکتے ہیں اور ٹھاکرے یہ قطعی نہیں چاہیں گے کہ کوئی ایسا ثبوت بچے جو آگے چل کر ان کے اور شیوسینکوں کے لئے پریشانی کھڑی کرسکے۔

بہرحال شیوسینا بی جے پی حکومت نے شری کرشنا کمیشن کو ختم کرکے عدالت و قانون اور انصاف کا گلا گھونٹ دیا ہے اور سردست اس پھندے کو دور کردیا ہے جو خاطی پولیس افسران اور شیوسینکوں کے گلے تک پہنچ رہا تھا۔ لیکن ٹھاکرے اور جوشی اسے قطعی فراموش نہ کریں کہ مظلوم کا خون کبھی رائگاں نہیں جاتا۔ وہ مٹائے نہیں مٹتا اور ہمیشہ ظالم کا پیچھا کرتا رہتا ہے۔ انہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا۔ آستین کے لہو سے اٹھنے والی آواز ایک نہ ایک دن اپنا انتقام لے کر رہے گی۔

●

نتیجہ انعامی سروے

ماہ نومبر اور دسمبر ۱۹۹۵ء کے ملی ٹائمز انٹر نیشنل کے شمارے میں انعامی سروے شائع کیا گیا تھا۔ ہمیں خوشی ہے کہ قارئین کی کثیر تعداد نے اسے پسند کیا اور اس میں شریک ہوکر انہوں نے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔ امید ہے کہ آپ کا تعاون اور مشورہ ہمیشہ حاصل رہے گا۔

انعام یافتگان کے نام درج کئے جارہے ہیں۔ انشاء اللہ ان کو جلد ہی انعامات بذریعہ ڈاک ارسال کردیئے جائیں گے۔

انعام یافتان:

(۱) محمد غوث بابو وامام صاحب مڈکی بابو مڈکی صدر صوفہ قاسم دوحلہ مکان جونی ہبلی۔ ۵۸۰۰۲۴ (کرناٹک)

(۲) ڈاکٹر محمد اقبال پرانا قلعہ۔ ضلع سیوان (بہار) ۸۴۱۲۲۶

(۳) سراج حسین ۳۰-۲-۹۔ قریب ایک مینار مسجد سعید پورہ۔ نظام آباد (اے پی) ۵۰۳۰۰۱

(۴) ظہیرہ جہاں بنت قاضی ظہیر الحسن قصبہ: سنہیار ضلع متھرا (یوپی) ۲۸۱۵۰۲

(۵) رضوانہ خانم رحیم خاں حکیم خاں عقب تاج محل ٹاکیز، عثمان آباد (مہاراشٹر) ۴۱۳۵۰۱

(۶) قمر پروین، عبدالکریم انگر یور سرائے (سلطانی) سرائے رائے، علی گڑھ

●

بقیہ: جنرل کرامت

جائے گی۔

جنرل کرامت کے سامنے کوئی ایسا پیچیدہ سیاسی مسئلہ نہیں ہے جیسا کہ جنرل عبدالوحید کے سامنے تھا۔ پھر بھی ان کے سامنے دو مسائل ہیں۔ ایک تو کراچی کا سنگین معاملہ اور دوسرا بعض سینیئر افسروں کے کورٹ مارشل کا، جن کے خلاف فوجی عدالت میں مقدمہ چل رہا ہے۔ اگر وہ ان فوجی افسروں کا کورٹ مارشل کرتے ہیں تو انہیں یقینا دائیں بازو کی پارٹیوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا جو ظاہر ہے ان کے لئے کچھ نہ کچھ مسئلہ ضرور پیدا کرسکتا ہے۔

اس وقت پاکستان کے سامنے سب سے اہم مسئلہ فوج کی جدید کاری اور اس پر آنے والا متوقع صرفہ ہے جو پانچ یا چھ ارب ڈالر اندازا بتایا جاتا ہے۔ اس وقت پاکستانی معیشت کا یہ عالم ہے کہ قرضوں کی ادائیگی اور قرضوں پر جو سود ہوتا ہے اس کی ادائیگی میں پورے ملک کی آمدنی کا ستر فیصد چلا جاتا ہے۔ باقی تیس فیصد ملکی تعمیر وترقی کے ساتھ ملک چلانے کے لئے ہے جس میں فوج اور حکومت کی مشینری کا خرچ بھی شامل ہے۔ ظاہر ہے کوئی بھی ذمہ دار سیاسی قیادت سخت معاشی فیصلہ کرنے کو ترجیح دے گی۔ اور اس سخت فیصلے کی زد میں فوج بھی آئے گی۔ یہ تو ممکن ہے کہ پاکستانی حکومت فوج کے لئے ہتھیاروں کی فراہمی کے معاملے میں بخل سے کام نہ لے لیکن فرض کیجئے اگر سیاسی قیادت جنرل کرامت سے کہتی ہے کہ وہ فوج کے افسروں کی مراعات میں کمی کریں تو ان کا رویہ کیا ہوگا۔ اگر جنرل کرامت حکومت کی بات مانتے ہیں تو اس سے فوج کے ۲۴ ہزار افسروں میں بے چینی پھیلے گی جو مراعات کے عادی ہیں۔ اور اگر حکومت کی بات نہیں مانتے تو بے نظیر اپنے خالی خزانے کا منہ دکھا سکتی ہیں۔ بہرحال یہی ایک دشوار معاملہ ہے جہاں جنرل کرامت یا فوج اور سیاسی قیادت دونوں کا امتحان ہوگا۔ جنرل کرامت خود سادہ زندگی بسر کرتے ہیں لیکن کیا وہ فوج کے دوسرے اعلی افسروں کو بھی اس کے لئے آمادہ کرسکیں گے یہ کہنا مشکل ہے۔

مختصر یہ کہ ملک کی آمدنی کا ۷۰ فیصد تو قرضوں اور سود کی ادائیگی میں چلا جاتا ہے۔ ۲۵ فیصد فوج پر خرچ ہوتا ہے۔ سول حکومت کے لئے اور ملک کی تعمیر وترقی کے لئے صرف پانچ فیصد باقی بچتا ہے۔ یہ اعداد وشمار خود ہی اپنی خاموش زبان سے بہت کچھ کہہ رہے ہیں۔

ہر سال دس ہزار افراد جادو ٹونا کے نام پر ہلاک کر دیئے جاتے ہیں

بدروحوں سے زیادہ بھیانک ہے بدروحوں کی سیاست

ہندوستان دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ اکیسویں صدی میں قدم رکھنے والا ہے لیکن ملک کے ایک علاقے کی آبادی میں بڑی تعداد ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جن کے ذہنوں پر آج بھی توہم کی بدستور حکمرانی ہے اور توہم پرستی کی اس نفسیات کو سماج دشمن عناصر سیاسی مفادات کی تکمیل اور زرکشی کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ مغربی بنگال، بہار اور اڑیسہ کی قبائلی پٹی میں اس نوعیت کے ہر ماہ پانچ چھ حادثات پیش آجاتے ہیں کہ کسی کو بھی چڑیل یا ڈائن قرار دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ ڈائن کی اصطلاح کا کسی بھی مرد اور عورت پر اطلاق اس طرح کردیا جاتا ہے کہ بستی میں کسی کو مہلک مرض لاحق ہوجائے تو کسی بھی شخص کو جو سماجی حیثیت سے کمزور ہو لیکن کچھ زمین جائداد رکھتا ہو "گروجن" کے ساتھ ساز باز کرکے ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے یہ کہہ کر کہ اس کے اندر ڈائن یا بدروح حلول کرگئی ہے۔ ایک بار کسی کے بارے میں یہ افواہ پھیل جائے کہ اس کے جادو کے اثر سے کوئی بچہ بیمار پڑگیا ہے یا کوئی فوت ہوگیا ہے تو لوگ اس کے خون کے پیاسے ہوجاتے ہیں اور اسے اپنی جان بچانا دوبھر ہوجاتا ہے۔ موت کے اس کھیل میں پروہت اور معالج کے مفروضہ ملے جلے کردار کے حامل جن گرو کے فرمان کو خاصا دخل حاصل رہتا ہے مثال کے طور پر کسی جانی یا مالی نقصان سے متاثر شخص جب اس جن گرو کے پاس پہنچتا ہے تو وہ کسی ایسے شخص کی طرف اشارہ کردیتا ہے جس کو چنگل میں پھنسانا آسان نظر آتا ہو۔ ڈائن ہونے کے الزام میں کسی کے قتل کے درپے افراد پر ہاتھ ڈالتے ہوئے پولیس بھی گھبراتی ہے اور جنونی ہجوم کے سامنے خود کو بے بس اور غیر محفوظ محسوس کرتی ہے۔

ایک عمرانیاتی مطالعے کے مطابق مشرقی ہندوستان میں ہر سال تقریبا دس ہزار مردوں اور عورتوں کو جادو ٹونا کرنے اور ڈائن ہونے کے الزام میں مار ڈالا جاتا ہے اور اگر ان کی زندگی کا خاتمہ کرنے میں ہجوم کامیاب نہیں ہوتا تو انہیں گھر سے بے گھر ضرور ہونا پڑتا ہے۔ اس سنگین صورت حال کا سبب یہ نہیں کہ ملک کی قبائلی آبادی میں توہم پرستانہ رجحان شدت کی طرف مائل ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ڈائن اور چڑیل جال میں سادہ لوح آدی باسیوں کو الجھانے والے جن گروؤں پر یہ راز آشکار ہوگیا ہے کہ ڈائن اور بدروح میں لوگوں کے اعتقاد و یقین کو مضبوط کرکے اچھا خاصا پیسہ کمایا جاسکتا ہے۔ کسی شخص پر سے ڈائن ہونے کا الزام اسی وقت ہٹتا ہے جب وہ گروجن اور اس کے معاونین کے منتخب نمائندوں کی رائے سے مقرر کردہ جرمانے کی رقم ادا کردے۔ تھوڑی بہت رقم تو گاؤں والوں کی ضیافت پر خرچ ہوتی ہے لیکن اس کا بیشتر حصہ جن گرو کی نذر ہوتا ہے۔ ایسے معاشرے میں جہاں جہالت اور غربت عام ہو جب چند لوگوں کے پاس پیسہ سمٹ کر رہ جائے گا تو وہی لوگ طاقتور بن جائیں گے اور باقی افراد ان کے اشاروں پر ہی چلیں گے۔ کچھ ایسی ہی حکمت عملی آدی باسیوں کے ساتھ جن گروؤں اور ان کے حامیوں نے اختیار کی ہے اس طرح غریب سنتھال جو خطے کی کل آبادی کا ۸۰ فیصد ہیں، انتخابات میں ووٹ بھی متمول اور طاقتور افراد کی مرضی سے ہی دیتے ہیں۔ مقامی سیاستدانوں کو یہ بخوبی معلوم ہے کہ قبائلی ووٹ بینک کو اپنی مٹھی میں لئے رہنے کی خاطر جن گروؤں کی خوشنودی حاصل کرنا ان کے لئے ازحد ضروری ہے۔ اس لئے وہ سادہ لوح سنتھالوں کو مختلف بہانوں سے یہ باور کرانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ چاہے ڈائن ہو، کوئی مہلک مرض یا

کوئی آفت و بلا ہو اگر ان سب مشکلوں سے کوئی انہیں نجات دلاسکتا ہے تو وہ ہے جن گرو۔ سادھوجن کے نام سے معروف ایسے ہی ایک ۲، سالہ شخص کا مدنا پور سے ۵، کلومیٹر دور کونسولی میں پتہ لگایا گیا جس کا مکان گاؤں بھر میں سب سے اچھا اور صاف ستھرا تھا جو دو ایکڑ زمین پر بنا تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ دوسرے گاؤں میں ۲۵ ایکڑ آراضی کا مالک بھی ہے۔ آس پاس کی سنتھالی بستیوں کے لوگ روز دس سے چار بجے کے دوران اس کے درشن کرتے ہیں اور ان کا یقین ہے کہ سادھوجن کے آشیرواد سے لوگ بہت سے پیچیدہ، مہلک اور دائمی امراض سے شفایاب ہوجاتے ہیں۔ بقول سادھوجن کے یہ سب کالی ماں کا کرشمہ ہے ورنہ خود اس میں کوئی کرشمہ دکھانے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس کی روحانی صلاحیتوں کا سوال خاصا بحث طلب ہے تاہم اس میں شک نہیں کہ اپنے دبدبے اور اثر سے وہ اب تک پچاس افراد کو گذشتہ پچاس سالوں میں ڈائن قرار دے کر ان کا خون اپنی گردن پر لے چکا ہے اور بے تحاشا دولت بھی بٹور چکا ہے۔ حالانکہ پولیس حکام کے استفسارات کے جواب میں سادھوجن یہی کہتا ہے کہ جادو ٹونے کے کسی بھی معاملے میں وہ کسی طرح نہ تو ملوث ہے اور نہ ہی ان باتوں میں یقین رکھتا ہے بستی کے تمام باشندوں کو اس پر اطمینان ہے کہ ان کے درمیان کوئی شخص ایسا ہے جو ان کے مصائب اور آزاروں کے لئے ذمہ دار شخص کی نشاندہی کرتا ہے۔

گویا اس پورے ڈرامے کا بنیادی مقصد دوسرے کی زمین و جائداد کو ہتھیانا ہے
ایسے افراد کا حلقہ دن
بدن وسیع تر ہوتا جارہا ہے جو اپنی جان کی بازی لگاکر بھی ڈائن کی قبیح روایت کے خلاف سینہ سپر ہونے کو تیار ہیں۔ اس ضمن میں پرائمری اسکول ٹیچر شاردا پرساد کا نام سرفہرست ہے جنہوں نے معصوم سنتھالوں کو جن گروؤں کے سماجی مظالم سے آگاہ کرنے میں اپنی عمر کے چالیس سال صرف کئے ہیں۔ اس دوران ان پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا جس کے زیر اثر اب وہ تقریبا مفلوج ہوکر رہ گئے ہیں

اس کے علاوہ ان سے انتقام لینے کے لئے ان کے اسکول ٹیچر داماد کا قتل بھی کردیا گیا۔ شاردا پرساد نے اپنی توہم شکن نظموں سے بھی عوام کو ڈائن کی رسم کے تئیں بیدار کیا ہے۔ •

بہار شریف کے بلدیاتی انتخاب میں

مسلمانوں کو بے اثر کرنے کی سازش کے خلاف عوامی احتجاج کی تیاری

رپورٹ: تسنیم بلخی

بارسوخ ذرائع کے مطابق بہار شریف میونسپلٹی حلقہ اور ضلعی پنچایت کو ازسرنو ترتیب دیا جارہا ہے۔ یاد رہے کہ اس سے قبل ۶۱-۱۹۶۰ میں سولہ وارڈوں پر مشتمل اس شہر کو ۳۲ وارڈوں میں تقسیم کردیا گیا تھا ایسا سازش کے تحت کیا گیا تھا اور مسلم کثیر آبادی والے علاقہ کو اس طرح بانٹ دیا گیا کہ کم سے کم وارڈ کاؤنسلر مسلمان جیت کر آسکیں

ابھی جس طرح کی گہری سازش چل رہی ہے اس سے صرف چار یا پانچ ہی مسلم وارڈ کاؤنسلر جیت کر آسکتے ہیں، موجودہ شہری حلقہ کو دیہاتی حلقہ سے کاٹ کر ختم کیا جارہا ہے جس کی وجہ سے مسلم آبادی کا علاقہ کافی متاثر ہورہا ہے اس سلسلہ میں یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ کچھ وارڈوں کو ہریجن ریزرو سیٹ اور عورت ریزرو سیٹ بنایا جارہا ہے تاکہ مسلمانوں کی تعداد کو کم سے کم کرکے صفر تک پہنچا دیا جائے۔

یہاں پر ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ وارڈوں کی تعداد بڑھانے کی بجائے حلقہ اور علاقہ کو بڑھا گھٹا اور مٹاکر اس میں ہندو ووٹرس کی اکثریت کو بڑھایا کیوں جارہا ہے یہ عمل مسلمانوں کے لئے سیاسی قتل عام کے برابر ہے جو توجہ طلب ہے۔

خبر یہ ہے کہ یہ کام اور اس طرح کی گھناؤنی اور مذموم حرکت نالندہ ضلع انتظامیہ، پارلیمنٹ نیز اسمبلی ممبران کے مشورہ سے کیا جارہا ہے اگر یہ صحیح ہے تو حد درجہ شرارت انگیز اور فرقہ وارانہ اقدام ہے۔ اس کے خلاف زبردست و بھیانک احتجاج ہوسکتا ہے، ٹکراؤ کی صورت حال پیدا ہوسکتی ہے۔
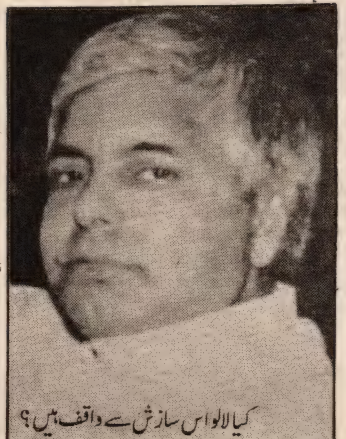
کیا لالو اس سازش سے واقف ہیں؟

واضح رہے کہ اس شہر میں مسلم مفادات و حقوق کی نگرانی کے لئے ۱۹۸۱ء کے بھیانک فساد کے بعد ایک لائحہ عمل طے کیا گیا جس میں دو مسلم افسران کی تقرری کی سفارش کی گئی ہے جس پر ابھی تک عمل ہورہا ہے۔ ایس ڈی ایم اور ڈی ایس پی مسلمان رہتے آرہے ہیں اگر یہ سازش مسلمانوں کے سیاسی قتل عام کی ان کے علم و عمل میں نہیں آئی ہے تو افسوسناک ہے
اس خبر کے عام ہوتے ہی پورے نالندہ ضلع کے دانشور طبقہ، سیاسی و سماجی کارکن سرگرم عمل ہونے کی تیاری کررہے ہیں۔ وارڈوائز اور پنچایت حلقہ کے مسلم ووٹرس کو بڑے پیمانے پر زبردست پراثر احتجاج کے لئے تیار کرنے کا کام جلد ہی شروع ہونے والا ہے تاکہ ذمہ دار فرقہ پرست افسران جو نالندہ ضلع انتظامیہ کے ساتھ ساتھ بہار کی ہردلعزیز کہی اور سمجھی جانے والی لالو سرکار کو بدنما داغ لگانے کی ناپاک سازش کر رہے ہیں ان کو دندان شکن جواب دیا جاسکے۔ حکومت بہار اور نالندہ ضلع انتظامیہ کو خود بھی ہوش کے ناخن لینا چاہئے۔ ویسے ترسیلی خبروں سے پتہ چلا ہے کہ یہ سازش فرقہ پرست پورے صوبہ میں اس جگہ کررہے ہیں جہاں مسلم ووٹرس کی اکثریت ہے اور اثرانداز ہوتے آرہے ہیں یا اثرانداز ہوسکتے ہیں۔

کیا پادری نے واقعی ماڈل گرل کو چھیڑا تھا؟

تجرد کی تبلیغ کرنے والے مذہبی رہنماؤں کے جنسی اسکینڈلوں کی داستان

برطانیہ کی ایک سابق ماڈل اور فوٹو گرافر تھوماسن میگور نے کٹک کے پادری اور چرچ آف نارتھ انڈیا کے ماڈریٹر دھیریندر کمار موہنتی پر الزام عائد کیا ہے کہ انہوں نے نیروبی لندن برٹش ایرویز کے ایک طیارہ میں اس پر جنسی حملہ کیا اور اس کے ساتھ چھیڑ خانی کی۔ طیارہ میں دونوں کی نشستیں ایک دوسرے کے آس پاس تھیں۔ میگور کا کہنا ہے کہ موہنتی نے اسے کمبل اڑھانے کے بہانے اس کے بازوؤں اور ٹانگوں کو چھوا اور اس کی گردن پر ہاتھ پھیرنے کی کوشش کی۔ سابق ماڈل کی شکایت پر عیسائی مذہبی رہنما موہنتی کو گیٹ وک ہوائی اڈے کی پولیس نے حراست میں لے لیا۔ لندن کے اخبار سنڈے ٹائمز کے مطابق لندن کے چرچ کینٹر بری کے آرک بشپ نے جن کے موہنتی سے اچھے رسوخ ہیں گیٹ وک پولیس سے رابطہ قائم کیا اور پھر انہیں رہا کردیا گیا۔ رپورٹ میں اس کی تردید کی گئی ہے کہ آرک بشپ نے پولیس کو ایسا کرنے کے لئے مجبور کیا یا کوئی دباؤ ڈالا۔

بہرحال موہنتی باہر آگئے ہیں اور اس کیس کی تحقیقات ہورہی ہیں۔ لندن پولیس کے قانون کی روسے انہیں سالیسیٹر جنرل کی شکل میں ایک قانونی معاون مہیا کیا گیا ہے۔ موہنتی اور ان کے چرچ کے دوسرے ذمہ داران اس الزام کو مسترد کرتے ہیں۔ موہنتی کے ایک معاون کا کہنا ہے کہ وہ شادی شدہ اور چار بچوں کے باپ ہیں۔ ان پر لگائے گئے اس الزام سے ان کے اہل خانہ کو زبردست ذہنی دھچکہ پہنچا ہے۔

سابق ماڈل اور فوٹو گرافر کا الزام کہاں تک درست ہے یہ تحقیقات مکمل ہونے کے بعد ہی معلوم ہوگا۔ لیکن ایسے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں اور بیشتر ایسی شخصیات جنسی الزام تراشیوں کے دلدل میں گلے گلے تک دھنسی رہتی ہیں جو کہ تجرد کا درس دیتی ہیں اور مذہبی ادارے چلاتی ہیں۔ بالخصوص ہندو مذہب میں آشرموں میں ایسے

دھیریندر کمار موھنتی

واقعات اب عام ہوگئے ہیں۔ آشرموں کے ذمہ دار بظاہر تجرد کی زندگی گزارتے ہیں اور اپنے شاگردوں کو اس کا درس دیتے ہیں لیکن اندرونی طور پر وہ ایسی جنسی کارستانیوں میں ملوث ہوتے ہیں کہ جن کے منظر عام پر آنے کے بعد لوگ انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

ابھی اس واقعہ کو زیادہ دن نہیں ہوئے ہیں جب مدھیہ پردیش کی ایک جین سادھوی نے اپنے مذہبی گرو پر سادھویوں کی عصمت دری اور مہینوں ان کے ساتھ جنسی تعلقات کا الزام عائد کیا تھا۔ ایک دوسرے واقعہ میں تامل ناڈو کے تروچی کے پاس واقع ایک آشرم کے سربراہ سوامی پریانند کو ٢٠ خواتین کی عصمت دری کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ بینکاک کے بدھشٹ مذہبی رہنما سے جنسی بے راہ روی کے الزام میں اس کا مذہبی عہدہ چھین لیا گیا۔ ایک دوسرے واقعہ میں امریکہ میں رہ رہے ٦٣ سالہ امرت دیسائی کو تین خاتون شاگرداؤں کے ساتھ جنسی تعلقات کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ان کا آشرم لوگوں کو تجرد کی تبلیغ کرتا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ شادی شدہ بھی ہے اور اس کے تین بڑے بچے بھی ہیں۔

ہندوستان میں بھگوا پوش سادھوؤں کو عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کے پاس جنسی خواہش نہیں ہوتی یا انہیں اس کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی یا یہ کہ وہ اپنی جنسی خواہشوں کو ہلاک کردیتے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ایسے بے شمار سادھو اور سنت پکڑے گئے ہیں جو سیدھی سادی خواتین کو بہلا پھسلا کر ان کے ساتھ جنسی عیاشی کرتے ہیں۔ مدھیہ پردیش کے ایک آچاریہ کو ٢٠٠ لڑکیوں کی عصمت دری اور کئی لڑکیوں کا حمل ساقط کرانے کے الزام میں گرفتار کیا جاچکا ہے۔ پچھلے سال جون میں جام نگر گجرات کے ایک سادھو کو چار لڑکیوں کے الزام پر جن میں ایک چودہ سالہ نابالغ لڑکی بھی تھی، گرفتار کیا گیا۔ اس پر الزام تھا کہ اس نے ان لڑکیوں کے ساتھ زنا بالجبر کیا ہے۔ سوامی کیشوانند کا معاملہ جب گرم ہوا تو ان کے خلاف ایک عوامی بغاوت پیدا ہوگئی اور لوگوں نے ان کی "پاکیزگی" کو بے نقاب کرنے کا مطالبہ کیا۔

مغربی ممالک میں بھی ایسے واقعات سامنے آتے ہیں۔ امریکہ میں ہر سال ایسے کئی مذہبی

تھوماسن میگور

رہنما گرفتار کئے جاتے ہیں جن پر خواتین کی عصمت دری کا الزام ہوتا ہے۔ جولائی ١٩٩٣ء میں ایک ٥٤ سالہ مذہبی رہنما ریونڈ ایڈوارڈ کو دس سال میں گیارہ نابالغ لڑکوں کے ساتھ نازیبا جنسی حرکت کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔ اس طرح دسمبر ١٩٩٢ء میں رومن کیتھولک چرچ کو عدالت کے باہر ایک ایسا معاملہ سلجھانا پڑا جس میں ٦٨ افراد نے مذہبی رہنما جیمس پورٹر پر الزام لگایا تھا کہ ٦٠ کے دہے میں جب وہ بچے تھے تو اس نے ان کے ساتھ نازیبا جنسی حرکتیں کی تھیں۔

ہندوستان میں ہندو مذہبی اداروں میں تجرد یا کنوارے پن کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ ایسے لوگ اپنے مشن کے تئیں زیادہ وفادار ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایسے لوگوں کی خفیہ کرتوتیں کبھی نہ کبھی منظر عام پر آہی جاتی ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ آر ایس ایس میں ایسے لوگوں کو ہی پرچارک یا مبلغ بنایا جاتا ہے جو غیر شادی شدہ ہوں۔ یہ قانون تو نہیں ہے لیکن اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔ آر ایس ایس کا سربراہ کوئی شادی شدہ شخص نہیں بن سکتا۔ بی جے پی میں اڈوانی کو چھوڑ کر واجپئی، سندر سنگھ بھنڈاری، کیشو بھاؤ ٹھاکرے، گووند اچاریہ، اوما بھارتی اور ایسے بے شمار لوگ موجود ہیں جو غیر شادی شدہ ہیں۔ لیکن ایسی جماعتوں یا اداروں میں کام کرنے والے مجرد افراد کی گل افشانیاں منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔ دراصل جب ایک فطری تقاضے کو نظر انداز کردیا جائے گا اور اس کو غیر اہم سمجھ لیا جائے گا تو اس کے نتیجے میں ایسی برائیاں تو جنم لیں گی ہی جو پورے معاشرے کو خراب کردیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنسی استحصال یا جنسی حرکتوں کی کہانیاں اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں۔

●

بقیہ: — الیکشن اور مسلمان

دے رہا ہے۔ (ہمارے دانشوروں کو محسوس کرنا چاہئے)

وہ ہندوتو جس کی بنیاد پر فرقہ پرست پارٹیاں ہندوستان کی پارلیامنٹ پر بھگوا جھنڈا لہرانا چاہتی ہیں اگر ہم اسی طرح کرسی کی دوڑ میں شامل رہیں گے تو اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ وہ اپنے مقصد کو بہت ہی آسانی کے ساتھ حاصل کرلیں گی لیکن اگر ہم ان تینوں طبقوں کی درمیان سے اپنے آپ کو الگ کرلیں تو ہندوتو کا ناپاک خواب منتشر ہوکر رہ جائے گا۔ اب قارئین کے دماغ میں ایک سوال ابھر سکتا ہے وہ بھی صاف ہونا چاہئے کہ اگر مسلم قوم اپنے آپ کو حصول کرسی کی سیاست سے الگ کرلے تو آخر کار مسلم قوم کے ان مفادات کا کیا ہوگا؟ جن کی ہمیں ایک ملت کی حیثیت سے ضرورت ہے۔ اس کے لئے میں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ اب تک جن بنیادوں پر ہم نے اپنے مفادات حاصل کرنا چاہے کیا ان میں ناکامی کے بعد ہم صفحہ ہستی سے مٹ گئے، کیا نوکریوں سے نکال دئے جانے کے بعد اس قوم نے دوسرے ذرائع سے رزق حاصل نہیں کیا، کیا اردو کے قتل عام کے بعد اس قوم نے لاکھوں کی تعداد میں پورے ہندوستان میں تعلیمی ادارے نہیں قائم کئے، کیا فسادات اور قتل عام کے بعد بھی ہم نے حوصلہ کے ساتھ اپنے ملک عزیز سے وفاداری نہیں کی۔ پھر بھی ہمیں اگر ضرورت ہے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے حکومت پر دباؤ رکھنے کی تو اب تک کے جو بھی طریقے تھے ہم اس سے الگ ہٹ کر سوچیں شاید کوئی بہتر طریقہ نکل آئے۔ ابھی تک تو مسلم رائے دہندوں کی حیثیت الیکشن کے زمانے میں باسکٹ بال کی طرح ہوتی ہے جسے ہر کھلاڑی اپنے ہاتھوں میں لے کر رنگ میں ڈال کر چیمپئن بننے کی کوشش کرتا ہے اور الیکشن کے بعد مسلم ووٹرس کی پوزیشن فٹ بال کی ہوجاتی ہے جسے ٹھوکروں سے مار کر گول تک پہنچا کر ہر پارٹی یا ہر لیڈر چیمپئن بننے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

ہمیں اپنی اس کیفیت کا احساس کرکے باسکٹ بال اور فٹ بال بننے کے بجائے کھلاڑی بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہمارے نقطہ نظر سے اس کی شکل صرف یہ ہوسکتی ہے کہ مسلم قوم کے لیڈر ریفری کی حیثیت سے آئیں اور ووٹرس کھلاڑی کی پوزیشن اختیار کریں اپنے کو کرسی کی دوڑ سے فی الحال الگ کرلیں اور یہ تینوں سیاسی ٹیمیں جو اکثریتی طبقہ کی ہیں یعنی سیکولر پارٹیاں فرقہ پرست پارٹیاں اور دلتوں، پچھڑوں کے حقوق کی لڑائی لڑنے والی پارٹیاں، انہیں فٹ بال کی شکل دینے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں۔

بقیہ: — بھگت کی گرفتاری

میں دہلی کے بے تاج بادشاہ کہے جانے والے بھگت کے لئے جیل جانے کی نوبت آگئی۔

یہاں اس بات کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ اگر عدالتیں اسی طرح مستعدی اور انصاف پروری کی مثالیں قائم کریں تو کوئی بھی فسادی اور کوئی بھی دنگائی ایسا نہیں ہوگا جس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی اور پیروں میں بیڑی نہ پڑی ہو۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلم مخالف بدترین فسادات کے سلسلے میں بھی عدالتیں یہی رویہ اختیار کریں گی اور بھاگل پور، بمبئی، سورت اور دیگر مقامات پر ہوئے بدترین فسادات میں بیوہ ہوجانے والی خواتین کے ساتھ ایسے ہی انصاف کی مثال قائم کریں گی۔ بمبئی میں ایسی بیواؤں کی تعداد کم نہیں ہے اور سورت میں ان خواتین کی بھی تعداد کم نہیں ہے جنہیں برہنہ کرکے ویڈیو گرافی کی گئی تھی۔ کیا قانون و عدلیہ ان مظلومین کو بھی انصاف دلائیں گے اور سکھ مخالف فسادات کے ملزموں کی طرح مسلم مخالف فسادات کے ملزموں کو بھی ان کے کئے کی سزا دی جائے گی۔

●

بقیہ: — رتمبھرا کی گرفتاری

کارروائی کیوں نہیں کرتی۔ ان کی تقریروں پر پابندی کیوں نہیں لگاتی اور فرقہ واریت بھڑکانے کی آزادی انہیں کیوں حاصل رہتی ہے۔ کیا حکومت کو نہیں معلوم کہ شیو سینا، بی جے پی، وشو ہندو پریشد، آر ایس ایس اور بجرنگ دل کے مسلم دشمن لیڈر جب تقریر کرنے پر آتے ہیں اور ہندو عوام کی بھیڑ دیکھ لیتے ہیں تو ان کے منہ سے الفاظ کے بجائے آگ کے انگارے نکلنے لگتے ہیں اور حساس شہروں میں آن کی آن میں فرقہ واریت کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ فرقہ وارانہ تقریر کرنے والے تمام لیڈروں کی تقریروں پر پابندی لگائی جائے اور اگر وہ نہ مانیں تو انہیں عدالتی تحویل میں دینے کے بجائے عبرت ناک سزا دی جائے تاکہ آئندہ ان کو اتنی جرات نہ ہو کہ وہ فرقہ وارانہ بنیاد پر لوگوں کو مخاطب کرکے فسادات کی آگ بھڑکائیں اور بے قصور عوام کی زندگی کو اجیرن بنادیں۔ جانی اور مالی نقصان سے دوچار کردیں اور ملک کی فرقہ وارانہ سالمیت کی اینٹ سے اینٹ بجادیں۔

اپنے معاشرے میں جرائم کی وارداتوں سے پریشان مغربی دانشور

اسلام کی شرعی حدود میں پناہ لینے کو بے چین ہیں

اس حقیقت سے شاید ہی کسی کو انکار ہو کہ خواہ سماوی شریعتیں ہوں یا انسان کا وضع کردہ کوئی دنیاوی دستور دونوں میں انسانی زندگی کی حرمت و تکریم اور انسان کے لئے عدل و انصاف اور مساوی حقوق کی ضرورت پر خصوصی تاکید کی گئی ہے۔

انسان کے احترام و تکریم کے پہلو پر اس تاکید کا سبب یہ ہے کہ کائنات اور انسان دونوں کا ہی خالق اللہ تبارک و تعالی ہے اور تمام باتوں اور چیزوں کا صحیح ترین اور حتمی علم اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں ہے۔ لہذا اس معمورہ انسانی کی فلاح و بقاء کے لئے اللہ نے اس میں اپنی کتابیں نازل کیں اپنے رسول اور پیغمبر بھیجے۔ اپنے احکام پر عمل کرنے والوں اور حکم عدولی کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں جزا و سزا سے آگاہ کیا اور عذاب آخرت سے باخبر کیا۔ جزا و سزا کے تصور کی پوری طرح وضاحت کی غرض سے اللہ نے بندوں کو بتایا کہ انسانی معاشرے میں پرامن زندگی اور سلامتی کی ضمانت اسی صورت میں دی جاسکتی ہے کہ قصاص کا طریقہ کار نافذ کیا جائے یعنی کہ جرم کا ارتکاب کرنے والے کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے تاکہ معاشرے کے باقی افراد اس کے جرم کے شر سے محفوظ رہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں دو پہلو پیش نظر ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ تادیب و تعذیب سے مجرم آئندہ کے لئے سماج دشمن سرگرمیوں سے باز رہے گا اور دوسرے یہ کہ سماج کے دیگر افراد کے لئے بھی یہ تادیب درس عبرت ثابت ہوگی کہ اگر کوئی شخص بدی کی راہ پر چلے گا تو اس کا یہی حشر ہونے والا ہے۔

اس طرح زمین میں فساد پھیلانے اور اسے تباہی کی راہ پر گامزن دیکھنے والے فاسد شخص کو شریعت الہی کے نفاذ کے ذریعہ امن کی راہ پر لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسی مناسبت سے اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب۔ لیکن باوجود اس کے جرم و سزا سے متعلق آسمانی ہدایتوں کے نفاذ کے مثبت نتائج کی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں آج کا عالمی نظام ان ہدایات سے منحرف نظر آتا ہے بلکہ اگر کوئی ان پر کاربند پایا جاتا ہے تو اس کا یہ عمل اس عالمی معاشرے کے متعینہ معیارات سے گرا ہوا سمجھا جاتا ہے جو جرم کی حمایت کرتا ہے، بداخلاقی اور بدعملی کی طرف بلاتا ہے۔

سماوی قانون کا نفاذ کسی معاشرے یا خصوصا کسی ملک میں کامیاب اسی حالت میں سمجھا جاسکتا ہے جب اس کا اطلاق اس ملک کے باشندوں اور اس میں مقیم دیگر ممالک یا معاشروں سے تعلق رکھنے والے افراد دونوں پر یکساں طور پر ہو اور دونوں اس تعیین کے تحت اس سماوی قانون کے نفاذ کی خواہش رکھیں کہ

اسلام کی حدود نافذ ہوں تو پھر جرائم ختم ہوسکتے ہیں

اللہ عزوجل اپنے بندوں کو صرف اسی کام کو کرنے کا حکم دیتا ہے جو ان کے لئے مفید اور فلاح کا باعث ہو اور صرف ایسے ہی کاموں سے انہیں روکتا ہے جس سے بندوں کو نقصان اور ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ جو شخص اس اعتماد و یقین کے ساتھ اپنے اوپر شرعی حدود کا انطباق کرتا ہے وہ اللہ تعالی کی رضا کی تکمیل کرتا ہے۔ گویا کہ جو شخص اللہ کے حکم کی بجاآوری پر راضی ہے وہ اس کے حکم کے نفاذ پر مامور افراد سے بھی راضی رہتا ہے۔ ایسے معاشرے کے افراد عالمی معاشرے میں موجود اعداء اسلام اور مغربی علماء کی تنقیدوں کی پروا کرنے کے بجائے اللہ کی خوشنودی کو کہیں زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔

خود عالمی صحافت کے فراہم کردہ اعداد و شمار شاہد ہیں کہ ایسے لوگوں کی تعداد جن پر اسلامی شرح کی حد نافذ کی گئی ہو ان افراد کے مقابلے میں خاصی کم ہے جو صرف ایک ہی بڑے ملک میں پھانسی کی سزا پاچکے ہیں لیکن انسانی حقوق کی رو سے ان کے معاملے پر نظرثانی اور تجدید سماعت کی گنجائش نکالی جاتی ہے تاکہ مجرم دوبارہ باہر آکر قتل و خون جیسی سنگین وارداتیں پھر کرنے لگے اور لاکھوں معصوموں کی جان کی قیمت پر ایک فرد کو انسانی حقوق سے متمتع ہونے دیا جائے۔ اس طرح کے سزایافتہ اور رہا کردہ مجرمین کا جب ایک پورا طبقہ وجود میں آجاتا ہے تو وہ منظم گروہ کی شکل میں وارداتوں کا ارتکاب کرتا ہے۔

ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض یوروپی اور امریکی دانشور اور محقق اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلام کی شرعی حدود بہت موثر اور کسی بھی معاشرے کے لئے قابل نفاذ ہیں کیونکہ ان حدود کے نفاذ کا مقصد یہ ہے کہ مجرم پر اس کے نفاذ سے پورے معاشرے کو جرم کی لعنتوں سے محفوظ رکھا جائے اور یہی وجہ ہے کہ وہ خود اپنے معاشروں میں اسلام کی شرعی حدود کے نفاذ کے خواہاں ہیں اسلام کی تجویز کردہ شرعی حدود کو حقوق انسانی کی توہین و استحصال سے تعبیر کرنا انسان کو فساد اور شر کی راہ پر لگانا ہے اور بے قصوروں و بے گناہوں کو آزار پہنچانے کے لئے مجرموں کی پیٹھ ٹھونکنے کے مترادف ہے۔

دادا دادی یتیم بچے کے ساتھ انصاف کریں تو بہتر ہوگا

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جواب

سوال: — ایک شخص کے انتقال کے چند ماہ بعد اس کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کے علاوہ اور کوئی اولاد اس کی نہ تھی۔ مرحوم کے والدین جو اس وقت حیات تھے انہوں نے بیوہ کی کوئی پروا نہ کی اور وہ اپنے والدین کے ساتھ رہنے لگی۔ اب اس کی شادی ہوچکی ہے اور وہ پہلے شوہر کے بیٹے کی پرورش بھی کر رہی ہے۔ لڑکے کے دادا اور دادی مالدار لوگ ہیں اور ان کے اپنے بچے بھی ہیں۔ کیا اس بچے کا اپنے دادا اور دادی کی جائداد میں کوئی حق ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ کیا مذکورہ عورت اپنے حق مہر کا مرحوم شوہر کے والدین سے مطالبہ کرسکتی ہے۔ بچے کی پرورش کے اخراجات کون ادا کرے گا۔ کیا اس عورت کو اپنے والدین کی جائداد میں سے کوئی حصہ ملے گا۔ دوسری شادی سے اس بچے کو اور اس کے دوسرے بچوں کو جائداد میں حصہ کس تناسب سے ملے گا۔؟

جواب: — یقینا اس عورت اور اس کے بچے کے بعض حقوق ہیں جو انہیں ملنے چاہئیں۔ عورت کے پہلے خاوند کے خاندان کو چاہئے کہ ان دونوں کا جو کچھ بھی ہے انہیں دے دیں۔ پہلے تو یہ کہ شوہر کا ورثہ اس کی موت کے وقت تقسیم ہونا چاہئے تھا۔ یہ تقسیم مرحوم کے بیٹے کی ولادت کے بعد ہی ہوسکتی تھی کیونکہ سب کے حصے کا تعین اسی وقت ہوسکتا تھا۔ مرحوم شوہر کی جائداد میں پہلے حق کا مطالبہ تو اس کے تجہیز و تکفین پر اٹھائے گئے اخراجات کی بناء پر ہی بنتا ہے۔ اس کے بعد باری آتی ہے

غیر ادا شدہ قرضہ کی۔ اس میں بیوی کا حق مہر بھی شامل ہے جسے بہر طور ادا ہونا ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر مرنے والے نے کوئی وصیت کی ہے تو اس کے مطابق ادائیگی ہوجانی چاہئے۔ کوئی مسلمان اپنی جائداد کا ایک تہائی حصہ وصیت کے ذریعے اپنے ورثاء کے علاوہ کسی شخص یا اشخاص کو دے سکتا ہے۔ کوئی وصیت نہ رہنے کی صورت میں پوری جائداد ورثاء کے درمیان تقسیم کردی جائے گی۔

زیر نظر معاملہ میں مرنے والے کے ورثاء اس کی بیوی، والدین اور اکلوتا بیٹا ہیں اس کے علاوہ کسی کا حق اس کی جائداد میں نہیں ہے۔ بیوی کو کل جائداد کا آٹھواں حصہ، والدین کو ایک ساتھ تیسرا حصہ اور پھر جو کچھ بچے وہ بچے کو ملے گا۔ ورثے کے علاوہ ایک بڑا سوال بچے کی پرورش اور تربیت کا ہے۔ اگر یہ ورثہ اس کے لئے کوئی ذریعہ آمدنی پیدا کرنے کے لئے کافی ہے تو اخراجات اس کی ذاتی آمدنی سے وضع کئے جاسکتے ہیں۔ جو شخص بھی اس بچے کی نگہداشت پر مامور ہو اسے چاہئے کہ اس بات کا خیال رکھے کہ اس کے پیسے کو بہتر سے بہتر مصرف میں لائے۔ مکان اور آراضی کی صورت میں اسے کرایہ پر اٹھایا جاسکتا ہے اور کھیتی کی جاسکتی ہے۔ کوئی ذریعہ آمدنی اگر نہیں ہے تو عزیز و اقارب کو اس کی پرورش کے اخراجات اٹھانا چاہئے۔ ایسے میں اس کی ماں اور دادا اور دادی کو اس کی نگہداشت کرنی چاہئے۔
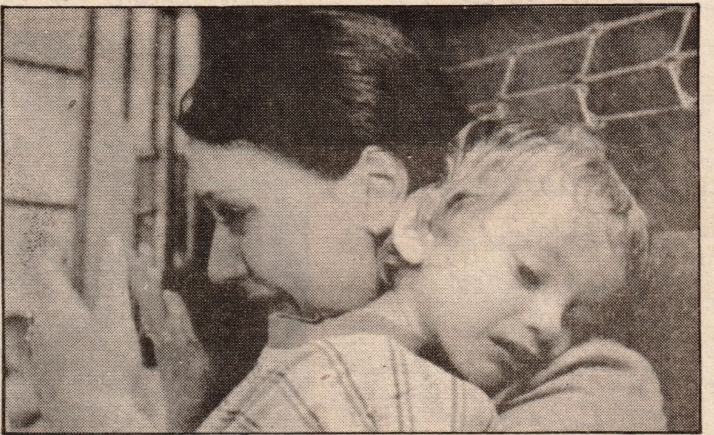
یہ طے کرنا اہم ہے کہ بچے کی جائداد وغیرہ کا انتظام کون کررہا ہے۔ کیا اس کے باپ نے اس سلسلے میں کوئی وصیت کی تھی۔ اگر اس کے لئے کسی کو مرحوم نے مقرر کیا تھا تو یہ کام اس کا ہے۔ عدم وصیت کی حالت میں حکومت کا فرض ہے کہ وہ کسی ایسے کو متعین کرے جو ایماندار اور خدا ترس ہو بصورت دیگر عامتہ المسلمین پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے خصوصا قریبی عزیزوں پر جن میں ماں اور دادا سر فہرست ہیں۔

جہاں تک اس کا سوال ہے کہ بچہ اپنی ماں کے ساتھ رہتا ہے اور ماں دوسری شادی کرچکی ہے تو نانی کو اختیار ہے کہ بچے کو اپنی تحویل میں لے لے اور یہ بھی نہیں ہوسکتا تو دادی لے سکتی ہے۔ دادا اور دادی کی جائداد میں اس بچے کے حصے کے بارے میں یہ صورت ہے کہ دونوں اس کے حق میں وصیت کریں کہ اسے اس قدر رقم دے دی جائے جو ان کے انتقال کے وقت ان کے مرحوم بیٹے کو مل سکتی تھی۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تب بھی وہ بچہ اس رقم کا دعوی لازمی وصیت کی بنیاد پر کرسکتا ہے۔ بعض ممالک میں اس پر عمل ہورہا ہے اگرچہ کورٹ کچہری کی کارروائیوں میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ دادا اور دادی یتیم بچے کے ساتھ انصاف کو ملحوظ رکھیں اور عدالتی طوالت سے محفوظ رہیں۔

سوال: — ایک ماں نے اپنی حیات میں یہ خواہش ظاہر کی کہ اس کی جائداد پانچ بیٹوں بیٹی اور شوہر اور مرحوم والدین کے درمیان یکساں طور پر تقسیم ہو۔ ان کا انتقال ہوگیا اور اب ہمیں جائداد تقسیم کرنی ہے تو اس کا اسلامی طریقہ کیا ہے۔؟

باقی ص ۱۳ پر

اب کمپیوٹرائزڈ لائبریریوں کا زمانہ دور نہیں

آپ گھر بیٹھے دنیا کی مختلف لائبریریوں کی سیر کرلیں گے

انفارمیشن ہائی وے کا پوری دنیا میں شور ہے اور ہندوستان بھی اس دوڑ میں پیچھے نہیں۔ پچھلے چند برسوں میں بہت سی سرکاری ایجنسیاں اور پرائیویٹ سیکٹر کی کمپنیاں ہندوستانی انفارمیشن ٹیکنالوجی کے بازار میں اپنے ای میل نیٹ ورک کے ساتھ اتر آئی ہیں۔ ان میں سے دی آر نیٹ، این آئی سی نیٹ، وی ایس این ایل اور جی آئی ایس قابل ذکر ہیں۔ بعض دیگر نیٹ ورک ایسے ہیں جو صرف اندرون شہر خدمات فراہم کرتے ہیں جیسے ڈیلینٹ، مابنیٹ اور بونیٹ۔ یہ دراصل ایسے لائبریری نیٹ ورک ہیں جو ان شہروں کی مختلف لائبریریوں کو ایک دوسرے سے مربوط رکھتے ہیں۔ اس طرح کا ایک نیٹ ورک کلکتہ میں بھی ۱۹۹۳ء میں کانسیپٹ کے نام سے قائم ہوا تھا جو اتفاق سے ابھی تک اپنا کام شروع نہ کرسکا۔

تاہم ان سب میں سی ایم سی کا انڈونیٹ ایسا ہے جو کم قیمت پر الیکٹرونک میل سروس فراہم کرنے کا دعویدار ہے۔ مستقبل میں اس کا ارادہ ایک ایسی سروس شروع کرنے کا بھی ہے جس کے تحت صارفین کی رسائی ایک ایسی وسیع کمپیوٹرائزڈ لائبریری تک ہوسکے گی جس کی مدد سے صارفین دنیا کی مختلف لائبریریوں سے رابطہ قائم کرسکیں گے۔

> **مستقبل میں اس کا ارادہ ایک ایسی سروس شروع کرنے کا بھی ہے جس کے تحت صارفین کی رسائی ایک ایسی وسیع کمپیوٹرائزڈ لائبریریوں سے رابطہ قائم کرسکیں گے۔**

سی ایم سی میل کے ذریعہ کوئی شخص لاتعداد ای میل بھیج سکتا ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی دنیا کے نیٹ ورک سے ہو اور جس کے لئے چھ مہینے کی مدت کے لئے ۵۵۰۰ روپے ادا کرنے ہوں گے۔ چھ ماہ کے بعد ۳۰۰۰ روپے دے کر کوئی شخص اپنے معاہدے کی توسیع اگلے چھ ماہ کے لئے کرسکتا ہے۔ مزید یہ کہ ۱۸۰ روپے ماہوار پر کوئی شخص آئی بی ایم ڈسک اسپیس خرید سکتا ہے تاکہ پیغام کی ترسیل اور وصولی سے قبل فائلوں کو اسٹور کیا جاسکے۔ کلکتہ، بمبئی، دہلی، مدراس، بنگلور یا حیدر آباد جیسے شہروں میں ۶۰، ۸۰ روپے کی در سے اے۔ ۴ سائز کے صفحے پر کوئی بھی اطلاع فیکس پر بھیج سکتے ہیں۔

> **سی ایم سی کے ۲۵۔X پر مبنی Wan کی مدد سے ان شہروں میں کسی سے آن لائن سسٹم پر گفتگو بھی ہوسکتی ہے جس کا خرچ فی گھنٹہ چالیس روپیہ ایک جگہ کے لئے آئے گا۔ اب سی ایم سی کی اس سروس کو درگاپور اور رانچی تک بڑھانے کا بھی منصوبہ زیر غور ہے۔**

سی ایم سی کے ۲۵۔X پر مبنی Wan کی مدد سے ان شہروں میں کسی سے آن لائن سسٹم پر گفتگو بھی ہوسکتی ہے جس کا خرچ فی گھنٹہ چالیس روپیہ ایک جگہ کے لئے آئے گا۔ اب سی ایم سی کی اس سروس کو درگاپور اور رانچی تک بڑھانے کا بھی منصوبہ زیر غور ہے۔ چھ شہروں کو ملانے والے اس Backbone سسٹم کے چھ Nodes ہیں جن میں یا تو ۹۰۰۰ HP اور ۶۰۰۰ روپے IBM یا TandemCycloner یا Solaris سسٹم نصب ہیں۔

سی ایم سی کا ہر نوڈ پر ایک Backup

سسٹم بھی ہے۔ کلکتہ میں یہ سسٹم ۹۰۰۰ HP اور آئی بی ایم ۶۰۰۰ روپے کی مدد سے چلتے ہیں اور کسی تکنیکی خرابی کے وقت حرکت میں لائے جاتے ہیں۔ سی ایم سی میل کی ای میل سروس CCITT X400 کے تحت Subscribers کے پیغامات قریب ترین سی ایم سی نوڈ پر جمع کردئے جاتے ہیں جہاں سے انہیں متعلقہ سمتوں میں مرسل الیہ کی سہولت کے مطابق روانہ کیا جاتا ہے۔ سردست Subscriber اور سی ایم سی میل کے قریب ترین ڈائل اپ نوڈ کے درمیان پیغام کی منتقلی کی رفتار 9.6 کے بی پی ہے۔ یہ وہ رفتار ہے جس پر صارفین قریب ترین سی ایم سی نوڈ سے اپنے تک بھیجی گئی معلومات وصول کرلیں گے۔ انٹر نوڈ میل کی منتقلی کی رفتار ۶۴ کے بی پی ہے۔ •

اب آپ اپنے پرسنل کمپیوٹر کو ٹی وی بھی بنا سکتے ہیں

پرسنل کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کو براڈ کاسٹ ٹیلی ویژن سے مربوط کرنے کی سمت اقدام کے تحت انٹل کارپوریشن اور ملک کی دیگر بڑی اور پرسنل کمپیوٹر ساز اور براڈ کاسٹ ٹیلی ویژن کمپنیوں نے حال ہی میں ایک ایسی ٹیکنالوجی کو منظر عام پر لانے کا اعلان کیا ہے جو پرسنل کمپیوٹر کو ٹی وی ریسیور میں تبدیل کرکے ٹیلی ویژن براڈ کاسٹروں کو اس قابل بنادے گی کہ وہ اپنے ٹی وی پروگرام کے ذریعہ کمپیوٹر ڈاٹا بھی فراہم کرسکیں۔

انٹر کاسٹ جو گذشتہ دو برس میں انٹل کارپوریشن کے محققوں نے تیار کیا ہے اس کی مدد سے ٹی وی براڈ کاسٹر ورٹیکل بلینکنگ انٹرول نام کے مخصوص ٹی وی سگنل کے ذریعہ ایسے ڈاٹا کی ترسیل کرسکتا ہے جس کی رفتار عام موڈموں سے چار گنی زیادہ ہوگی۔ کافی دنوں سے بعض ایسے پی سی بازار میں آنے لگے ہیں جن کے ذیلی آلات سے ٹی وی امیج کی عکاسی ہوسکتی ہے۔ انٹر کاسٹ کو اس سے بھی آگے کی چیز کہا جاسکتا ہے۔

محض ٹیلی ویژن امیج کو دوبارہ تشکیل دینے کے بجائے نئے نظام کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کی مدد سے براڈ کاسٹر اور ایڈورٹائزر دونوں ہی کسی پیغام کا متن، ٹھہری ہوئی تصویر اور چارٹ یا نقشے وغیرہ فراہم کرسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ٹی وی پر کوئی قتل، واردات کی تفصیل دی جارہی ہے تو نئے سسٹم کا نیٹ ورک بعض اشارے بھی دے گا جیسے آلہ قتل کی تصویر یا مقتول کا ٹیلی فون Log ۔ ایڈورٹائزر حضرات کپڑوں یا گھریلو برقی سامان کے اشتہار کے دوران انٹر ایکٹو کیٹیلاگ بھی دے سکتے ہیں۔

کمپیوٹر کو ٹی وی سے جوڑنے کی تیاری میں سرگرداں ایک ماہر

ٹیلی ویژن کے ناظرین کو دکھائی دینے والی خالی لائنوں میں ڈاٹا اسی وقت منتقل ہوگا جب ان کے سیٹ Fritz پر ہوں۔ اس طرح کی دس لائنوں کا بینک ٹی وی امیج کے ایک الگ تھلگ کونے پر اور ٹی وی فریم کے باہر رہتا ہے۔ ان میں سے ہر لائن نو ہزار چھ سو Bits فی سکنڈ کی رفتار سے ڈاٹا کی ترسیل کرسکتی ہے۔

اگرچہ یہ سسٹم براڈ کاسٹ ماڈل ایک نئے طرز پر مبنی ہے اور ٹی وی سگنل ایک اسٹینڈرڈ ٹی وی ٹیونر سے حاصل ہوں گے۔ "ڈاٹا کی ڈلیوری" ورلڈ وائڈ ویب" صفحات کی شکل میں ہوگی جس میں روایتی انٹرنیٹ Access کے ذریعہ انٹر ایکٹیوٹی کی گنجائش ہوگی۔

اس نئے معیار کو چھونے کے لئے اس وقت بارہ کمپنیاں پوری کوشش میں لگی ہوئی ہیں پکارڈ بیل اور گیٹ وے 2000 کمپیوٹروں میں انٹر کاسٹ سگنلوں کو ریسیو کرنے کے لئے ضروری ہارڈویر بنانے کا منصوبہ رکھتی ہیں۔ جو وہ اگلے سال تک بازار میں لائیں گے۔ ان کے متوقع خریدار جو لوگ ہوں گے ان میں این بی سی، سی این این، کیو وی سی، ڈبلیو جی بی ایچ، بوسٹن پی بی ایچ اسٹیشن شامل ہیں۔ اس کے علاوہ "وایو کوم" اور "کوم کاسٹ" جیسے کیبل آپریٹر اور آن لائن خدمات فراہم کرنے والی کمپنیاں مثلاً امریکہ آن لائن اور Asrymetrix بھی اس ہارڈویر کو استعمال کریں گی۔ شاید یہ پہلا اہم موقع ہے کہ ٹی وی براڈ کاسٹروں کو انٹرنیٹ کی وسعت کے بارے میں سوچنا پڑ رہا ہے۔

تاہم سسٹم سازوں نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس بارے میں کچھ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ صارفین ایسی تبدیلی کو کس حد تک خوش آمدید کہیں گے جو انہیں ان کے نشستی کمروں سے اٹھا کر جہاں وہ چودہ فٹ کے فاصلے سے ٹی وی دیکھتے ہیں ایسے کونے میں پہنچا دے جہاں وہ صرف چودہ انچ کے فاصلے سے نسبتاً کافی چھوٹے اسکرین پر ٹی وی پروگرام دیکھنے کے عادی ہوجائیں۔ انٹرنیٹ میں غیر متوقع اور دھماکہ خیز ترقی کے پیش نظر مشاہدین نے اس شک و شبہ کا اظہار کیا ہے کہ اس سسٹم کو کمپیوٹر اور براڈ کاسٹ کی صنعت میں الجھن اور پیچیدگی کی علامت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ امریکہ کے کئی شہروں مثلاً پورٹ لینڈ اور اوریگون میں تجربات جاری ہیں۔ اگلے سال کے آغاز میں انٹر کاسٹ ڈاٹا ابتدائی بین الاقوامی سطح پر دستیاب ہوگا۔ اور خیال ہے کہ آئندہ برسوں میں Circuitry تمام پرسنل کمپیوٹروں کا ایک عام حصہ بن جائے گی۔ انٹل کے جنرل مینجر میک گیوی کے مطابق انٹل نے اس سسٹم کو کافی حد تک کھلا رکھا ہے یعنی کہ دیگر کمپنیاں بغیر لائسنسنگ معاہدے کے اس سسٹم کو اختیار کرسکتی ہیں۔ یہ ٹیکنالوجی جس میں سردست پچاس سے ساٹھ ڈالر تک کی قیمت کے پرزے لگیں گے ایسے چپ پر مشتمل ہے جو Analog TV Signal کو ڈیجیٹل امیجوں میں تبدیل کرے گی اور یہی امیج کمپیوٹر اور ٹی وی ریسیور پر منعکس ہوگی جو براڈ کاسٹ یا کیبل پروگراموں کے سگنل کو جذب کرے گا۔ •

پنجاب اور کشمیر کی دہشت گردی میں واضح فرق یہ ہے کہ

"کشمیر میں مذہبی بنیاد پرستی زیادہ نمایاں ہے"

ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے دو نسخے آنا لازمی ہیں۔ تبصرے کے لئے کتابوں کا انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہو گا۔

نام کتاب: Uncivil Wars
Pathology of
Terrorism in India

مصنف: وید مرواہ
ناشر: ہارپر کولینس پبلیشرز
قیمت: ۳۹۵ روپے

معروف پولیس آفیسر وید مرواہ کی تصنیف سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ ایک اعلیٰ افسر سے کہیں زیادہ سلجھے ہوئے علم دوست شخص ہیں۔ یہ کتاب بذات خود ایک جامع بیان کی حیثیت رکھتی ہے کہ ہندوستان میں آپسی اختلافات کا اظہار کس طرح تشدد کی صورت میں کیا جاسکتا ہے۔ وید مرواہ نے جو میزورم سے پنجاب تک ہندوستان کے تمام انتشار زدہ صوبوں میں پولیس اور انتظامی عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں، ان علاقوں میں دہشت گردی کے اسباب کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اس کے ارتقاء اور دہشت گردانہ نفسیات کی گہرائی میں بھی جھانکا ہے۔ آج جب وہ جموں و کشمیر کے گورنر کے مشیر کے عہدہ سے سبکدوش ہو چکے ہیں انہیں جو موضوع خاص طور پر دلچسپ دکھائی دیتا ہے وہ ہے ہندوستان میں پولیس انتظامیہ کی پالیسی اور عملی صورت حال۔ سیکیورٹی ایجنسیوں کے درمیان تعاون و اشتراک کے فقدان پر ان کی غضبناکی ہمیں آپریشن بلیک تھنڈر کے معاملے میں دلیر کے پی ایس گل سے ان کے اختلافات کی یاد دلاتی ہے۔

پنجاب اور کشمیر میں دہشت گردی کے فرق کو الگ الگ واضح کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ سردست کشمیر میں خارجی پہلو اور اسی طرح مذہبی بنیاد پرستی زیادہ نمایاں ہیں۔ دونوں صوبوں میں پولیس انتظامات کے بنیادی امتیازات کی نشاندہی وہ اس انداز میں کرتے ہیں کہ کشمیر میں پولیس کو نیم معیاری سیاسی فیصلوں سے روگردانی کی اجازت تھی۔ پنجاب میں شعوری طور پر یہ کوشش ہوئی تھی کہ پنجاب پولیس تشکیل دی جائے کیونکہ آخر کار دھکا اسی کو سہنا تھا۔

کے پی ایس گل کے موضوع کی طرف واپس آتے ہوئے ان کا کہنا ہے کہ پولیس فورس کو مضبوط بنانا زیادہ ضروری تھا نہ کہ ایک واحد شخصیت کی تعمیر۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ قیادت واقعی خاصی اہم ہے لیکن مناسب یہی ہے کہ کوئی قیادت پوری طرح شخصیت سازی پر مبنی نہ ہو۔ جموں و کشمیر جیسے دہشت گردی سے متاثر صوبے میں جہاں اچھے خاصے تجربے کار لوگ قسمت آزمائی کر کے ناکام ہو چکے ہوں گورنر کن صلاحیتوں کا حامل ہونا چاہئے اس پہلو پر بھی انہوں نے روشنی ڈالی ہے۔ ان کے نزدیک گورنر کے اندر بہت سے افراد کی خصوصیات یکجا ہونی چاہئیں اور اس کی یہی بنیادی صلاحیت اسے مذکورہ حالات سے دوچار چاہئیں اور اس کی یہی بنیادی صلاحیت اسے مذکورہ حالات سے دوچار ریاست میں کامیابی سے اپنا کام کرنے میں معاون ثابت ہوگی۔ اسے حفاظتی افواج سے تعاون و اشتراک کی اچھی مثال قائم کرنے کے ساتھ ساتھ منجھے ہوئے سیاسی شعور کا مالک بھی ہونا چاہئے جو سیاسی عمل کی تجدید کی حمایت کے حصول میں اس کی مدد کر سکے۔ وہ بیک وقت اچھا منتظم بھی ہو اور باصلاحیت Communicator بھی۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ اسے مرکز کی پوری حمایت حاصل ہونی چاہئے۔

اس کتاب کی پذیرائی نے وید مرواہ کے شوق خامہ فرسائی کو ہوا دی ہے اور جلد ہی وہ ایک اور کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس کا موضوع داخلی امن کو لاحق خطرات ہو گا جن میں فرقہ وارانہ فسادات نسل و ذات سے متعلق تشدد اور جرائم بھی شامل ہیں۔

●

آپ کی الجھنیں

آپ اپنی بیوی کے اعتماد کو بحال کریں اور جب نیند کھلے تو صحیح سمت کا تعین کرنا نہ بھولیں

اگر آپ کسی الجھن میں مبتلا ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہو گیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔

سوال: — میں تعلیم یافتہ شریف پرہیز گار بااخلاق حافظ قرآن چوالیس سالہ آدمی ہوں۔ ۲۲ سال پہلے میری بیوی ایک سال ساتھ رہ کر انتقال کر گئی اولاد کوئی ہے نہیں میری یہ پریشانیاں ہیں (۱) میں چاہتا ہوں کہ کوئی شریف، تعلیم یافتہ، کم یا زیادہ سلیقہ شعار، صفائی پسند، فرماں بردار جو صبر و شکر سے میرے ساتھ نباہ کر سکے، خواہ بیوہ، یتیم، لاوارث اور ایک یا دو بچے والی ہی ہو جو اس عمر میں میرا ساتھ دے سکے اس سے شادی کر لوں (۲) میں نے زندگی میں تجارت کی ہے۔ فی الحال پریشانی میں مبتلا ہوں۔ چاہتا ہوں کوئی اللہ کا بندہ نیک انسان میرے حال پر رحم کھا کر مالی مدد کر کے کسی بھی کام میں پارٹنر شپ ساجھے داری یا منافع پر روپیہ دے سکے۔ میں تحریر کے مطابق تمام شرائط و قواعد کی پابندی کروں گا۔ جس سے میری الجھنیں دور ہو سکیں۔

جواب: — آپ کی پریشانیاں واقعی خاصی پیچیدہ ہیں۔ ہمیں آپ سے دلی ہمدردی ہے۔ آپ کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ تعلیم یافتہ ہیں اور تجارت کے پیشے میں رہے ہیں لیکن فی الحال مالی مسائل در پیش ہیں۔ آپ نے اپنی تعلیمی استعداد کی تفصیل نہیں بتائی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس کی سطح کیا ہے اور اس کے تحت آپ نے کوئی ہنر بھی سیکھا ہے۔ حافظ قرآن ہونا بڑی سعادت کی بات ہے لیکن کسب معاش کے لئے درکار معیاروں کے پیش نظر اسے تعلیم یافتہ ہونا نہیں کہا جاتا۔ باقی اپنے جو اوصاف آپ نے گنائے ہیں وہ سب ایسے ہیں جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچنا چاہئے۔ آپ نے یہ بھی نہیں تحریر کیا کہ آپ نے زندگی بھر جو بزنس کیا ہے اس کی کیا نوعیت رہی ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ آپ کی ذاتی ملکیت میں کوئی چیز ہے یا نہیں کہ اگر کوئی آپ کی مالی امداد کرے یا قرض دے تو ضمانت کے طور پر اس ملکیت کی نشاندہی کی جاسکے۔ جب تجارت آپ کو راس نہیں آئی تو آپ اپنے سابقہ تجربہ کی بنیاد پر کہیں ملازمت ہی کر لیجئے۔ آپ پابند صوم و صلوۃ آدمی ہیں صبر و شکر کے ساتھ زندہ رہنا جانتے ہیں۔ مستقل مزاجی سے کام کر کے جو کچھ بھی آپ

کمائیں گے وہ تجارت کے مقابلے میں ہو سکتا ہے کم ہو لیکن خیر و برکت اس میں زیادہ ہوگی۔ ۴۴ سال کی عمر ایسی تو نہیں ہوتی کہ آدمی ہر طرح سے مایوسی کو گلے لگا لے۔ بائیس سال کسی رفیق و ہمراہ کے بغیر گزارنے کا اثر ذہن پر پڑ سکتا ہے لیکن اتنی مایوسی ہونی نہیں چاہئے۔ آپ نے اپنی الجھنوں کو گنانے کی ترتیب میں تھوڑی سی لغزش کی ہے۔ یعنی آپ کی پہلی الجھن یہ ہونی چاہئے کہ کس طرح خود کو کسی حد تک اس قابل بنائیں کہ جب کسی عورت کا ہاتھ مانگنے کہیں جائیں تو اس کی کفالت کی اہلیت کا ثبوت بھی فراہم کر سکیں۔ اس کے لئے ہم آپ کو وہی مشورہ دیں گے جس کا ذکر گزشتہ پیراگراف میں ہوا۔ جہاں تک تیسری الجھن کا سوال ہے تو اس کے لئے کوئی گنجائش وہیں نکل سکتی ہے جہاں آپ سکونت پذیر ہیں اور جہاں کے لوگ آپ کے کردار، حیثیت اور صلاحیت سے واقف ہوں۔
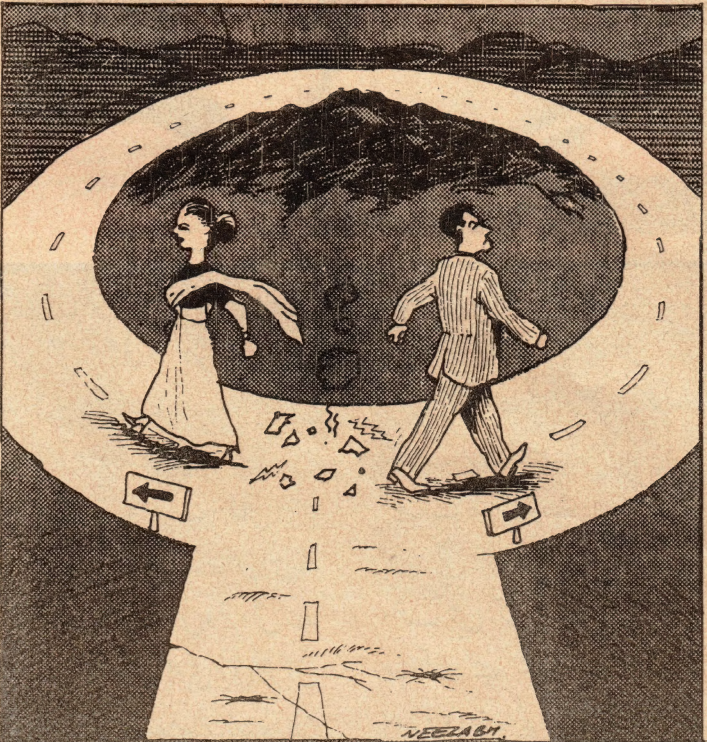
سوال: — میں اعلیٰ تعلیم یافتہ، دیندار سرکاری ملازمت پیشہ شخص ہوں اور ہر ہفتے اپنے کام پر سے گھر آتا ہوں، ایک بار گھر پہنچا تو میری بیوی کی چھوٹی بہن آئی ہوئی تھی۔ بستر پر جاتے ہی مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا۔ اہلیہ کو اپنے بستر پر نہ پا کر میں اٹھا اور دوسرے بستر کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ بجلی چلی گئی تھی۔ تاریکی میں مجھے مغالطہ ہوا بجائے بیوی کے اس کی بہن کو جھنجھوڑ دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور میری بیوی کو اس نے جگا دیا۔ مجھے حد درجہ ندامت ہوئی اور لاکھ صفائیاں دینے کے باوجود میری بیوی کو شک ہو گیا کہ میں نے اس کی بہن سے مباشرت کی ہے۔ اب وہ مجھ سے کسی طرح کا تعلق رکھنے کو تیار نہیں۔ میں بہت زیادہ ذہنی انتشار میں مبتلا ہوں۔ اس کا کوئی حل تجویز فرمائیے؟

جواب: — بھائی آپ تو بڑی مشکل میں پھنس گئے خصوصاً اس وجہ سے کہ آپ کی بیوی نے ضد پکڑلی ہے۔ نہ بجلی گئی ہوتی نہ بن بلائی مصیبت آپ پر ٹوٹتی۔ بظاہر تو بات صاف ہے کہ آپ کی اہلیہ کی بہن نے آپ کو ارتکاب جرم کے الزام سے بری کر دیا ہے۔ اب صرف شک کا کانٹا رہ گیا ہے جسے اہلیہ کے دل سے اکھاڑنا ہے۔ اس کے لئے رازداری سے اپنے گھر کے برد بار خواتین و حضرات کی مدد حاصل کریں جو آپ پر بیوی کے اعتماد کو بحال کر سکیں۔ اور جب اچانک نیند کھلے تو صحیح سمت کا تعین کرنا نہ بھولیں۔

Invitation Price Rs. 5/-
16 - 29 February 1996
Volume : 2, Issue : 28

The Milli Times International
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018
Fax: (011) 6926030

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-11234/96

قرآن اور امت مسلمہ
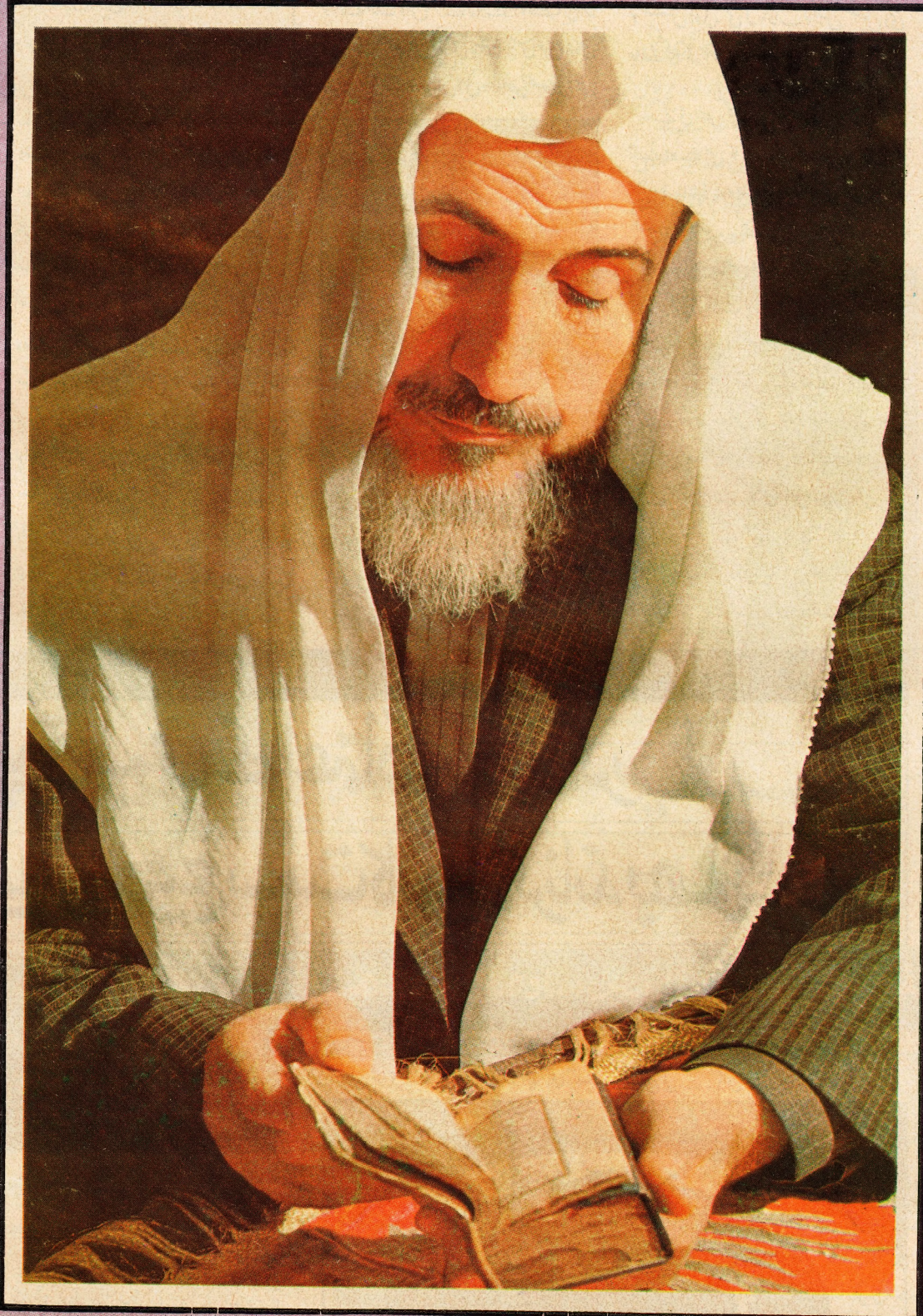
بچے ہوں یا بوڑھے خواتین ہوں یا مرد اسلام کے آفاقی دستور حیات قرآن حکیم سے ان کا قلبی تعلق اس ماہ مبارک میں واضح طور سے نظر آتا ہے۔ یہی وہ ماہ مبارک ہے جس میں اس الٰہی پیغام کا نزول ہوا، غار حرا سے اسی پیغام کی کرنوں نے دھیرے دھیرے ایک عالم کو منور کردیا، صدیوں سے ضلالت و گمرہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو اللہ عزو جل کی طرف سے ایک نسخہ کیمیا کا بے نظیر تحفہ میسر آیا جس کی ضیا پاشیوں نے عالم انسانیت میں ایک ایسا عظیم انقلاب برپا کردیا جس کی مثال دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ذہن و فکر، اخلاق و کردار، معاشرت و معیشت کی حیرت انگیز تبدیلیوں کے ذریعہ ایک عالم اس کے زیر نگیں آگیا۔

شیخ مامون نے اپنی عمر کی ۲، بہاریں دیکھی ہیں۔ ان کا تعلق مصر کے ایک مذہبی گھرانے سے ہے۔ انہوں نے دنیاوی حالات کے مدوجزر کا بڑی باریکی سے مطالعہ کیا ہے۔ کتنے ہی افکار و نظریات کو پنپتے اور پھر گوشہ گمنامی میں جاتے دیکھا ہے۔ انہیں حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ قرآن حکیم کے ہوتے ہوئے آخر یہ دنیا نئے افکار و نظریات کے پیچھے کیوں اپنی طاقت ضائع کرتی ہے۔ آخر وہ اس الٰہی پیغام کو کیوں نہیں اپناتی کہ اس کے سارے امراض کا نسخہ اسی میں مضمر ہے۔ انہیں مزید حیرت و افسوس اس پر ہوتا ہے جب ان کے اپنے مسلم بھائی اس آفاقی دستور حیات سے بے زاری برتتے ہیں اور وہ بھی افکار و نظریات کے نت نئے تراشیدہ اصنام کے دامن میں عافیت تلاش کرتے ہیں۔ عام مسلمانوں کی تو بات کجا وہ مسلم حکمرانوں اور قائدین سے بھی شاکی نظر آتے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں مکمل قرآنی دستور حیات کے نفاذ کی قوت ہونے کے باوجود وہ اس سے احتراز کررہے ہیں۔

مشرق ہو یا مغرب، شمال ہو یا جنوب ہر مسلم معاشرے میں اس ماہ کا استقبال بڑے جوش و خروش سے ہوتا ہے۔ مسجدیں بھری پری نظر آتی ہیں، افطار و سحر کے مناظر بڑے روح پرور ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم کی تلاوت، تراویح اور نوافل کا اہتمام بڑے زور و شور سے ہوتا ہے۔ یہ روح پرور نظارے مسلمانوں کے قرآن حکیم سے قلبی تعلق کی طرف اشارے کررہے ہوتے ہیں۔ شیخ ان کیفیات کا بچپن سے مشاہدہ کرتے آئے ہیں۔ وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ رمضان کے اس مبارک مہینے میں امت مسلمہ کے اندر دینی جذبہ کچھ زیادہ بڑھ جاتا ہے اور فی الواقع وہ رمضان کی مبارک ساعتوں کے پرکیف و روح پرور نظاروں میں کم سے ہوجاتے ہیں لیکن قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہوئے بسا اوقات ایک کربناک آہ ان کے دل سے نکلتی ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ کیا فی الواقع امت مسلمہ قرآن حکیم کا حق ادا کررہی ہے۔ روزہ، تراویح اور نوافل سے امت ایمانی حرارت حاصل کرنے میں کامیاب ہے۔ کیا قرآن صرف اسی لئے نازل ہوا تھا کہ اسے بے سمجھے بوجھے اور بغیر کسی کیفیت کے طاری کئے پڑھ لیا جائے یا محض خیر و برکت کے حصول کے لئے اس کے حروف استعمال کئے جائیں۔ کیا روزے کا مقصد صرف یہ ہے کہ دن بھر بھوکا پیاسا رہا جائے؟ کیا تراویح کا مقصد صرف یہ ہے کہ امام کے ساتھ آٹھ یا بیس رکعت اٹھ بیٹھ کر ادا کرلیا جائے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ شیخ مامون کا ماننا ہے کہ ان ساری عبادات کا تعلق دل سے ہے۔ جب تک دل کے دروازے کھلے نہ ہوں اور انسان پر اپنے خالق حقیقی کا رعب و جلال قائم نہ ہو اور اس کے نتیجے میں اس کی زندگی میں انقلاب نہ آئے تب تک اس کی ساری عبادات محض رسوم کی ادائیگی ہی ہیں۔ ان کا کچھ حاصل نہیں۔ دوران تلاوت شیخ کی ہچکیاں بندھ جاتی ہیں وہ سوچتے ہیں کہ اے کاش امت کے ہر فرد کے اندر وہ بصیرت پیدا ہوجاتی جو کہ ایک ڈاکو کی "الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ" (کیا اہل ایمان کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے کانپ اٹھیں، جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر میں اطمینان قلب ہے) سن کر جاگ اٹھی تھی۔

شیخ مامون کے پاس قوت نافذہ نہیں کہ وہ قرآنی دستور حیات کو اس دنیا پر بزور قوت نافذ کردیں۔ ہاں اس کے نفاذ کے لئے وہ اور ان جیسے بے شمار افراد ساری دنیا میں اپنی سی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اس راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرچکے ہیں اور کچھ اس وقت موعود کے انتظار میں ہیں۔ ان حوصلہ مندوں کو معلوم ہے کہ یہ راہ بڑی کٹھن اور آزمائشوں سے پر ہے۔

ضرورت ہے کہ قرآن اہل ایمان کے دلوں میں اترے اور ان کی زندگیوں تک پھیلتا چلا جائے اور یہ جبھی ممکن ہے جب ہم خود قرآن سمجھیں گے، سمجھائیں گے، اسے اپنے قلب پر طاری کریں گے اور اس طرح قرآنی معاشرہ کی تشکیل کے ذریعہ ایک بار پھر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کریں گے۔ •